

www.imamahmadraza.net

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا نقی علی خاں

علامہ

حیات اور علمی وادبی کارنامے

پی ایچ۔ ڈی، مقالہ

ڈاکٹر محمد حسن

ایم۔ اے اردو، پولیٹیکل سائنس
پی ایچ۔ ڈی،



ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، انٹرنیشنل، کراچی

www.imamahmadraza.net

عَلَامَةُ الْإِسْلَامِ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

حیات اور علمی وادبی کارنامے

ڈاکٹر محمد حسن قادری

ایم۔ اے (اردو، پولیٹیکل سائنس)

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل رجسٹرڈ کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

www.imamahmadraza.net

ترتیب

صفحہ	عنوان	
4	تقدیم	•
10	پیش لفظ	•
11	باب اول	•
	مولانا نقی علی خاں کے عہد تک	
	اردو نثر کی روایت	
27	باب دوم	•
	مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی	
	فکری اور ادبی حالات	
43	باب سوم	•
	مولانا نقی علی خاں کی حیات و شخصیت	
118	باب چہارم	•
	مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا	
	تحقیقی و تنقیدی تجزیہ	
202	باب پنجم	•
	ہم عصر اردو نثر نگاروں سے مولانا کی	
	طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ	
221	باب ششم	•
	ماحول	
226	ضمیمہ (کتابیات)	

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	علامہ مولانا نقی علی خاں، حیات اور علمی وادبی کارنامے
مصنف	:	ڈاکٹر محمد حسن قادری
تقدیم	:	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
پیش لفظ	:	ڈاکٹر محمد حسن قادری
نگران کمپوزنگ و گرافکس	:	راؤ سلطان مجاہد رضا
کمپوزنگ و گرافکس	:	ریاض شاہد
صفحات	:	225
تعداد	:	1100
سن اشاعت	:	۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء
تقریب	:	امام احمد رضا سلور جوہلی انٹرنیشنل کانفرنس ۲۰۰۵ء
ناشر	:	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی
ہدیہ	:	1-160

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل اسلامی جمہوریہ پاکستان

25/ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی پوسٹ بکس نمبر 489، (74400)

فون: 021-2725150 فکس: 021-2732369 ای میل: marifraza@hotmail.com

Web Site : www.imamahmadraza.net

کچھ مصنف کے بارے میں.....

نام: ڈاکٹر محمد حسن قادری

والد: مولانا طفیل احمد مرحوم

خاندانی حالات: آپ کے جد امجد کا تعلق سرزمین عرب سے ہے۔ عارف باللہ نام کے ایک بزرگ عرب سے کشمیر آکر آباد ہو گئے۔ انکی اولاد میں آپ کے دادا حضرت خواجہ احمد اور آپ کے والد مولانا طفیل احمد مرحوم تھے آپ کے دادا چار سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے بیعت ہوئے تھے۔ انتہائی متقی پرہیزگار عابد شب بیدار بزرگ تھے۔ محکمہ دیوبند میں ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے۔

آپ کی والدہ کا نام زبیدہ خاتون ہے آپ کے نانا مرزا مولانا جان بیگ اپنے زمانے کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے پرانا مطبع اللہ بیگ تھے جو امام احمد رضا کے استاد مولانا غلام قادر بیگ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اس طرح آپ کی والدہ مرزا مولانا غلام قادر بیگ کی پوتی اور آپ ان کے پر نواسہ ہوئے۔

”حیات مفتی اعظم“ کے مصنف / مولف مرزا عبدالوحید بیگ مرحوم آپ کے سگے ماموں تھے۔

تعلیمی پس منظر: آپ نے آگرہ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے اردو اور پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ ہندی سہیوتہ سکین پر یاگ (الہ آباد) سے سہیوتہ رتن کیا۔ جامعہ اردو علیگڑھ سے ادیب کامل کیا۔ ۱۹۹۸ء میں بریلی کالج بریلی کے شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسن خاں نظامی صاحب کی زیر نگرانی روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے ”مولانا تقی علی خاں حیات اور علمی کارنامے“ کے عنوان سے Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔

صحافت: روزنامہ راشتریہ سہارا، نئی دہلی۔ ہفتہ وار ”نئی دنیا“، دہلی، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، تجلیات رضا، بریلی شریف اور ہندوستان کے دیگر بڑے جریدہ و رسائل میں اسلامی موضوعات پر آپ کے مقالات و مضامین باقاعدگی سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مشغلہ: اس وقت بریلی شریف میں ایک بڑے سرکاری تعلیمی ادارے میں درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔

تقدیم

اسلام کی نظر میں علم اور اہل علم کا بڑا مرتبہ ہے۔ قرآن کریم میں بار بار علم کی فضیلت و اہمیت کو نہایت دلکش پیراؤں میں پیش کیا گیا ہے اور تحصیل علم و تعظیم علماء پر انسانوں کو راغب کیا گیا ہے۔

کائنات کے انسان اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی علم ہی کی فضیلت و برتری کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”علیم“ بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد باری ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ أَنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ“ کی بدولت فرشتوں پر فضیلت ملی اور اسی سے یہ بھی عقدہ کھلا کہ خلافت الہی کے لئے علم و حکمت اصلی شرط ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان کامل ہوتے ہیں اور خاتم النبیین، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکمل الکملاء، افضل الانبیاء، آغلم الکائنات اور عالم ماکان و مایکون ہیں لیکن پھر بھی ہر ارشاد خداوندی فراوانی علم کی ہمیشہ دعا کرتے ہیں: ”رب زدنی علماً“۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ”میرے جانشینوں پر کثرت سے خدا کی رحمت جو میری سنتوں سے محبت کرتے ہیں (ان کا علم حاصل کرتے ہیں) اور بندگان خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں (مفہوم) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ: ہماری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں (علم نافع کے حصول اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی ترویج و اشاعت کے شوق کی بنا پر) (مفہوم) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اور اپنے رسول کرم و اکرم ﷺ کی طرح ان کی بھی اطاعت واجب فرمائی ہے۔

”اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولی الامر منكم۔“

ان ارشادات عالیہ کے بموجب ہر دور میں سید عالم ﷺ کے جانشین رہے ہیں اور صبح قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

بر عظیم پاک و ہند میں سلطنت اسلامیہ کے آخری دور میں جو چند نامور و ارثان علوم مصطفیٰ ﷺ گزرے ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی حضرت شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی رحمہم اللہ ان میں امام الاتقیاء حضرت علامہ مولانا تقی علی خاں (۱۲۳۶ھ/ ۱۸۳۰ء..... ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) ابن علامہ رضا علی خاں بریلوی (۱۲۳۳ھ/ ۱۸۰۹ء..... ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) اور ان کے نامور صاحبزادے اعلیٰ حضرت علامہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہم اللہ کی شخصیت بھی خاص امتیازی شان کی حامل ہے۔

حضرت علامہ مولانا تقی علی خاں دراصل اپنے دور کے اعلیٰ حضرت تھے۔ آپ ۳۰ جمادی الآخر ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد امام العلماء علامہ مولانا رضا علی خاں سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے جو فہم و ذکاوت نظری، صلاحیت و رائے، علوم اسلامیہ نقلیہ و عقلیہ میں دسترس اور استحضار علی ان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی مثال ان کے معاصرین میں نظر نہیں آتی۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء.....۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) نے اپنی تصنیف الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکة البہیة میں (ص ۳۰۱ پر) ۲۱ علوم وفنون کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خان سے حاصل کئے۔

علامہ نقی علی خان کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے کہ آپ عقلی معاد اور عقلی معاش دونوں کے جامع تھے۔

آپ کے مختصر حالات زندگی اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے علامہ نقی علی خان کی تصنیف ”جواہر البیان فی اسرار الارکان“ کے مقدمے میں نقل فرمائے ہیں اس کا ایک اقتباس قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جا رہا ہے جس سے ان کی عبقریت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

”بوجود قوت انظار وحدت افکار حضرت جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی ان دریاوار و امصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی“ عقلی معاد و معاش دونوں کا بروج کمال اجتماع بہت کم سنا یہاں آنکھوں سے دیکھا..... اس ذات گرامی کو خالق عز وجل نے سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ کی غلامی و خدمت اور حضور اقدس ﷺ کے اعداء پر غلظت و شدت کے لئے بنایا تھا۔“

حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر کے نبیرہ نواب نیاز احمد خاں ہوش فرماتے ہیں:

”اکثر اشخاص کو تعلیم کا شوق دلاتے ہیں اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف کرتے ہیں ہنگام کلام علوم کا دریا بہہ جاتا ہے۔ العالم اذا تکلم فهو بحر یموج“ کا مضمون انہی کی ذات پر صادق آتا ہے۔

سقاوت و مروت شجاعت و علم و ہمتی آپ کی شخصیت کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ آپ غریبوں کے غمخوار اور امراء و رؤساء سے کنارہ کش تھے۔“

آپ نے اپنے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ ۵ جمادی الاول ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۷ء کو مارہرہ (ضلع ایٹک یوپی انڈیا) میں حضرت آل رسول احمدی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) سے شرف بیعت و خلافت حاصل کی۔ شدید علالت کے باوجود ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کو حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول مقبول ﷺ کیلئے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں سید احمد زین دہلان مکی سے م ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء سے مکرر مسند اجازت حدیثی، ۳۰ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء کو ہجرت ۵۱ سال وصال فرمایا اور شب جمعہ والد ماجد علامہ مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں دفن ہوئے، آخری کلمہ ”اللہ“ ارشاد فرمایا اور آخری تحریر ”بسم اللہ الرحمن“ یاد رکھا چھوڑی۔

آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے آپ کی ۲۵ سے زیادہ کتب کا ذکر کیا ہے، آپ کی وہ تصانیف جو برطبعیت سے آراستہ ہو سکیں ان میں ”سرور القلوب فی ذکر الحبوب“ اور ”الکلام الاوضح فی تفسیر الم فرح“ نے زیادہ شہرت پائی۔ ۱۸۵۷ء میں اسلامی سلطنت کے قیام اور انگریزوں کو ہندوستان سے دیس نکال

کرنے کے لئے مجاہدین اسلام علماء کی جو کمیٹی بنی تھی، آپ اس کے فعال رکن تھے، انگریزوں کے خلاف مجاہدین جنگ آزادی کو مقررہ مقام پر اسلحہ خوراک اور گھوڑے وغیرہ پہنچانے کی جو ذمہ داری آپ کے سپرد تھی آپ نے بڑی ذمہ داری اور حسن و خوبی کے ساتھ اسے انجام دیا۔ آپ جہاں اچھے مقرر اور اچھے مصنف تھے وہیں بہت ذریعہ مدرس بھی تھے لیکن افسوس کے آپ کے تلامذہ کی فہرست مرتب نہ ہو سکی البتہ آپ کے اپنے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولانا حسن رضا حسن بریلوی علیہما الرحمۃ کی شخصیت ہزاروں شاگردوں کی فہرست پر بھاری ہے ایک روایت کے مطابق (غالباً شیخ الحدیث علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ نے راقم سے کہی تھی) راقم کے جد امجد حضرت علامہ مولانا سید ہدایت رسول قادری نوری برکاتی علیہ الرحمۃ نے بھی رئیس الاقتیاء علامہ نقی علی خاں قدس سرہ کے حضور زانوئے ادب تہہ کیا تھا اور شرف شاگردی سے مشرف ہوئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے والد ماجد کی ولادت اور وصال دونوں کے تاریخی ماڈے استخراج کئے تھے جو زیر نظر مقالہ اور دیگر کتب میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

الحاصل یہ ہے کہ علامہ نقی علی خاں کی ہمہ جہت شخصیت اپنے عہد کی ایک نابالغہ روزگار ہستی تھی، علوم عقلیہ و عقلیہ کی کثیر فرع پر آپ کو عبور حاصل تھا، امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی و دینی و ملی کارناموں کے سامنے ان کی شخصیت پردہ خفا میں جا چھپی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی محقق اس نابالغہ عصر شخصیت کے علمی اور ادبی کارناموں کو اپنے قریب قلم کا موضوع بناتا تاکہ باب علم و فن کو اس سے استفادہ کا موقع ملتا۔ یہ امر قابل مسرت ہے کہ صاحب تذکرہ ہی کے ایک ہم وطن محترم ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی نے ان کے علمی و ادبی کارناموں پر بریلی شریف ہی کی یونیورسٹی (روہیل کنڈ یونیورسٹی) سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ اور علمائے اہلسنت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔

علامہ نقی علی خاں پر اب تک بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ ان کے صاحبزادہ ذی وقار مولانا محمد احمد رضا خاں حنفی قادری برکاتی جو اپنے وسعت علمی، تبحر اور ذکاوت کی بنا پر اپنے دور کے ”علیٰ حضرت“ اور ”امام“ قرار پائے ان کی فتوحات علمی کی طرف اہل علم اس تیزی سے متوجہ ہوئے کہ ان کے والد ماجد کی علمی شخصیت اور کارنامے فروغداشت ہو کر پس منظر میں چلے گئے۔ اب تک جو کچھ بھی لکھا جا چکا ہے۔ انہیں مولانا شہاب الدین رضوی صاحب کا مقالہ ”مولانا نقی علی خاں“ زیادہ جامع ہے اس میں علامہ کی شخصیت اور کارناموں کا اجمالی ذکر ہے جبکہ علامہ موصوف کے علمی قد و قامت کو دیکھتے ہوئے یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کے متعدد پہلوؤں پر بے شمار پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالات لکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن بریلوی صاحب قابل مہار کہاد ہیں کہ انہوں نے پیش قدمی کی اور ”شہر خواں“ کے بانیوں پر بے اعتنائی کا جو

پیش لفظ

بریلی کے علمی و ادبی افق پر بہت سے چاند تارے کھکشاں بن کر چمکے جن کی کرنوں نے علم و ادب کے ہر گوشہ کو روشن و تابناک کیا اور پورے عالم کو اپنی جلوہ ریزیوں سے فیضیاب کیا۔ ایسی ہی ہستیوں میں ایک علامہ مولانا نقی علی خاں بریلوی بھی ہیں۔ مولانا نقی علی خاں اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم دین، صاحب طراز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ آپ نے ادبی و مذہبی دونوں خدمات انجام دیں لیکن مذہبی خدمات زیادہ غالب رہیں جس کی وجہ سے آپ کی ادبی شخصیت دب کر رہ گئی۔ بحیثیت ادیب آپ نے زبان و بیان اور علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

آج کی دنیا علامہ مولانا نقی علی خاں کو صرف ایک عالم دین کی حیثیت سے جانتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصانیف کثیرہ اور اپنے عہد کے زبردست ادیب و محقق بھی تھے۔

جب میں نے اردو میں تحقیقی کام کا ارادہ کیا تو میری نظر انتخاب علامہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ چنانچہ میں نے مولانا موصوف کی تصنیفات کی تلاش شروع کی تو یہ دیکھا کہ آپ نے مختلف علوم و فنون اور موضوعات پر گراں قدر کتابیں لکھی ہیں جو موضوعات اور زبان و بیان کے اعتبار سے مشاہیر ادب و علماء سے کسی طرح کم نہیں۔

بریلی کالج بریلی کے شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسین خاں نظامی صاحب نے میرے کام کی عمرانی کی نہ صرف منظوری فرمائی بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اس کام میں میری رہبری اور رہنمائی فرمائی۔ استاد مکرم حضرت نواب حسین خاں نظامی صاحب کی شخصیت اگرچہ ہمارے شکر یہ سے بے نیاز ہے لیکن اگر میں اپنا حقیر نذرانہ شکر گزاری پیش نہ کروں تو سخت ناپاسی ہوگی۔ راقم السطور پر استاد محترم نے یقیناً التفات کے دریا بہا دئے ہیں۔ خدا کرے ایسے لائق و قابل استاد ب ہی طلباء کو نصیب ہوں۔

ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے میرے اس کام میں تعاون فرمایا۔ ان میں سرفہرست بھائی ڈاکٹر سید مجیب الرضا ہیں جنہوں نے میرے تحقیقی کام کیلئے مفید مشورے دیئے۔ میں اپنے ماموں مرزا عبدالوحید بیگ علیہ الرحمۃ کا بھی تہہ دل سے ممنون احسان ہوں جو میرے اس تحقیقی مقالہ کے محرک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور حسن سلوک کیلئے اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

آخر میں ایف۔ آر۔ اسلامیہ انٹر کالج بریلی کے لائبریریئن جناب محمد ہارون صدیقی، جناب محمد اقبال احمد خان نوری، سید مرتضیٰ علی صاحب اور جناب محمد احمد کا بھی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے کتابوں کی فراہمی میں میری اعانت فرمائی۔ ایسے خالص کیا ب ہیں۔ باری تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد حسن قادری

رہبرج اسکالر

شعبہ اردو، بریلی کالج، بریلی

مجلد اول

مولانا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر کی روایت

باب اول

مولانا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر کی روایت

"دنیا کی تمام زبانوں کی ابتداء نظم سے ہوئی ہے
گویا نثر کا وجود تمام زبانوں میں شعر کے بعد ہوا
ہے۔ اسی اصول کے تحت اردو نثر کا آغاز بھی اردو
نظم کے بعد ہوا ہے۔ اردو نثر کی تاریخ آٹھویں
صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔" ۱

اردو نثر کے نمونے دکن اور گجرات کے فقرا اور صوفیا کے چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل
میں ملتے ہیں۔ ابتدائی نثر کے نمونے فارسی اور عربی کی مذہبی کتابوں کے اردو ترجمے ہیں۔ نویں صدی
ہجری میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور ان کے نواسہ سید محمد عبداللہ حسینی وغیرہ
کی تصانیف سے اردو نثر کا آغاز ہوا۔ حضرت خواجہ گیسو دراز نے "معراج العاشقین" اور سید محمد عبداللہ
نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "نشاط العشق" کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کا ایک نسخہ
نپوسلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ شاہ میران جی نے "شرح مرغوب القلوب" لکھی اور
ان کے فرزند شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ) نے متعدد اردو نثر کی کتابیں لکھیں جن میں
"کلمۃ الحق" اور "وجودیہ ہمدست" ہیں۔ ان کے اسلوب میں ادبیت کی بھی ہلکی سی جھلک ملتی
ہے۔ ان کا موضوع تصوف اور اخلاق ہے۔

شاہ برہان الدین جانم کے ہم عصر شیخ محمود الحق خوش دہاں ہیں۔ آپ کا ایک
رسالہ "رسالہ محمود خوش دہاں" ہے۔ اس کی نثر میں خوش سلیقگی اور ربط ہے۔

اسی عہد کے دوسرے صوفی بزرگ سید شاہ امین الدین اعلیٰ (م ۸۶۶ھ) ہیں۔
شاہ امین الدین اعلیٰ، شاہ برہان الدین اعلیٰ کے صاحبزادے تھے۔ رسالہ "وجودیہ" اور
"کلمۃ الاسرار" ان کی نثری تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ "ارشادات" رسالہ "ظاہر و باطن"،
"عشق نامہ" اور "شرح کلمہ طیب" بھی امین الدین اعلیٰ کی تصانیف ہیں۔ ان سب کا موضوع
تصوف و اخلاق ہے۔

۱۰۳۵ھ میں ملا اسد وجہی (م ۱۰۷۵ھ/1659ء) نے "سب رس" تصنیف کی۔
یہ وجہی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ محمد بیگی بن سبیک قاجی نیشاپوری کی فارسی تصنیف "دستور
عشق" 1436ء کے نثری خلاصہ "حسن و دل" سے ماخوذ ہے۔ ملا وجہی نے "سب رس" میں نثر
و نظم کو گھلا ملا کر لکھا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین "سب رس" کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے
ہیں:

"یہ (سب رس) ملا وجہی کی تخلیقی تصنیف نہ سہی۔ اس کا یہ دعویٰ
غلط نہیں ہے کہ اس سے پہلے اردو یا ہندی نثر میں کوئی کتاب
اس پایہ کی نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے
کہ نہ صرف مواد کے اعتبار سے بلکہ خیالات، اسلوب و فنکاری
کے لحاظ سے بھی یہ انوکھی اور غیر معمولی تصنیف ہے" ۱

اس کے علاوہ میران جی حسین خدانما (1595ء۔ 1663ء) نے بعض رسائل
تالیف و ترجمہ کئے تھے۔ ان کے نام ہیں۔ "چہار وجود"، "شرح تمہیدات ہمدانی" اور
"رسالہ مربیہ"۔ "تمہیدات ہمدانی" عربی کی تصنیف ہے اس کی شرح خواجہ بندہ نواز
گیسو دراز نے تقریباً تین سو سال بعد فارسی میں لکھی تھی۔ میران جی حسین خدانما کی "شرح
تمہیدات ہمدانی" اسی کا دکنی اردو میں ترجمہ ہے۔

میران جی خدا نما کے ہم عصر میران یعقوب نے میر رکن عماد الدین کی فارسی تصنیف "سمائلہ نقیہ" کا اردو ترجمہ بہت سادہ اور سلیس نثر میں کیا۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ اردو نثر کا آغاز دکن سے ہوا لیکن شمالی ہند میں نثر کا آغاز فضل علی فضلی کی "کربل کتھا" سے ہوتا ہے۔ فضلی نے "کربل کتھا" 1732ء میں تصنیف کی۔ "کربل کتھا" فضلی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف "روضۃ الشہدا" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں بھی نثر کا آغاز فارسی کتب کے تراجم سے ہوا۔ کربل کتھا سے پہلے شمالی ہند میں نثر کا کوئی بھی نمونہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔ "کربل کتھا" کا نثری نمونہ پیش ہے:

"تب ماں بہنیں اور پھوپیاں خیمے سے دوڑیں اور علی اکبر کے پاؤں پڑ کر رونے لگیں، حضرت بھی رخصت نہ دیتے تھے اور علی اکبر رو رو عاجزی کر سوغندیں دیتے تھے۔ لاچار حضرت زادی اور رونے اس کے سے، آپ زرہ بکتر علی اکبر کوں پنھائے اور پنکا حضرت آدم کا اس کمر میں باندھ، خود فولادی سر پر رکھ ہتھیار بندھائے۔ پھر ایک گھوڑے عقاب نام پر سوار فرمائے۔ ماں اور بہنیں علی اکبر کے گھوڑے کی باگ سے لپٹ رونے لگیں تب حضرت فرمائے، ہاتھ اس سے اٹھا کر قصد سفر آخرت کرتا ہے" ۱۔

اس دور کی دوسری اہم تصنیف "قصہ مہر افروز دلہر" ہے جو 1732ء۔ 1759ء کے دوران لکھی گئی اس کا مصنف عیوی خاں بہادر ہے۔ اس قصہ کا پورا پلاٹ من گھڑت، غیر مذہبی یا سیکولر ہے۔ کربل کتھا کے مقابلے میں قصہ کی زبان آسان، سادہ، صاف اور کئی لحاظ سے جدید ہے۔

عیوی خاں بہادر نے اس قصے کو اپنے عہد کی بول چال کی زبان میں پیش کیا ہے۔ اس دور کی نثر کی مشہور کتاب میر عطا حسین خاں تحسین کی "نوطرز مرصع" ہے جو امیر خسرو کی فارسی تصنیف "قصہ چہار درویش" کا اردو ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر عبیدہ بیگم نے "نوطرز مرصع" کا سن تالیف 1775ء لکھا ہے۔ ۱۔ جبکہ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے لکھا ہے کہ "نوطرز مرصع" 1798ء میں منظر عام پر آئی۔ مرزا خلیل بیگ لکھتے ہیں۔

"میر عطا حسین تحسین کی "نوطرز مرصع" (1798ء) منظر عام پر آئی جو فارسی کے مشہور قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اس کی عبارت بے حد رنگین اور مرقع ہے۔ فارسی و عربی الفاظ کی کثرت ہے" ۲۔

اردو نثر کے ارتقا میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات

اردو نثر کے ارتقا میں شمالی ہندوستان میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات اہم ہیں۔ 1800ء میں جان گلکرسٹ نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ کالج کے قیام کی غرض و غایت ایسٹ انڈیا کمپنی کے یورپین ملازمین کو ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دینا تھا۔ چنانچہ کالج میں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت قائم ہو گئی جس نے نہ صرف انگریزوں کے واسطے درسی کتابیں تیار کیں بلکہ اردو، ہندی میں مستقل معیاری کتب بھی تصنیف کیں۔ اس کالج سے وابستہ اردو کے اہل قلم میر امان خاں آسن، میر شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، سید حیدر بخش حیدری، مرزا کاظم علی خاں جوان، للو لال جی، نہال چند، اکرام علی، سید محمد منیر، مداری لال گجراتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

میر آقن نے ۱۲۱۷ھ بمطابق 1801ء میں "چہار درویش" کا اردو ترجمہ "باغ و بہار" کے نام سے کیا۔ میرامن نے تحسین کے برخلاف غیر مانوس عربی، فارسی کے استعمال سے پرہیز

کیا اور عام فہم زبان میں کتاب لکھی۔ سیرسید نے میرامن کے بارے میں صحیح لکھا ہے "جو مرتبہ میر تقی میر کو نظم میں حاصل ہے وہی میرامن کو نثر میں حاصل ہے۔" باغ و بہار کے دیباچہ میں زبان اردو کی پیدائش کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ "باغ و بہار" کو انگریزوں میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اسکو انگریزی حکام کے اردو امتحان میں داخل نصاب کیا گیا۔

اسی کالج سے وابستہ مظہر علی خاں نے "ہفت گلشن" کا اردو ترجمہ اسی سال 1801ء میں کیا۔ اس کے علاوہ "قصہ مادہ ہونل" کا ترجمہ اور فارسی "تاریخ شیر شاہی" کا اردو ترجمہ بھی مظہر علی خاں کا ہی مرہون منت ہے۔ 1802ء میں میرامن نے ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف "گنجینہ خوبی" "اخلاق محسنی" کی طرز پر تصنیف کی اور میر شیر علی افسوس نے ۱۲۱۳ھ میں "گلستان سعدی" کا ترجمہ "باغ اردو" کے نام سے کیا جو اسی سال 1802ء میں شائع ہوا۔

حفیظ الدین احمد نے 1803ء میں ابوالفضل کی "عیار دانش" کا اردو ترجمہ "خرد افروز" کے نام سے کیا۔ افسوس نے 1804ء میں "آرائش محفل" لکھنا شروع کی جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ہندو راجاؤں کی مختصر تاریخ لکھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ افسوس نے اپنے قلم کو ترجمہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ طبع و تخلیق بھی پیش کی جس کا موضوع جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ ہیں۔ اسی طرح 1804ء تک اردو نثر میں تاریخ و جغرافیہ کی کتب تصنیف کی جانے لگی تھیں۔ نورٹ ولیم کالج کے میرنشی میر بہادر علی حسینی نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر "اخلاق ہندی" تصنیف کی جو حقیقتاً تصنیف نہیں ہے بلکہ "ہتو پدیش" کے فارسی ترجمہ "مفرح القلوب" کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ اسی سال حسینی نے "نثر بے نظیر" تصنیف کی۔ 1811ء میں بنی زائن نے فارسی قصہ کا ترجمہ "چهار گلشن" کے نام سے کیا۔ اس سے قبل 1809ء میں خلیل علی خاں اشک نے "اکبر نامہ" کا اردو ترجمہ "واقعات کربلا" کے نام سے کیا۔ اسی دور میں مرزا جان طیش نے اردو محاورات پر ایک کتاب لکھی۔

مرزا کاظم علی خاں جو آن نے "شکنتلا" ناک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جو آن نے گلکرسٹ کی فرمائش پر قرآن شریف اور "تاریخ فرشتہ" کا بھی اردو نثر میں ترجمہ کیا۔ 1812ء میں جو آن نے "بارہ ماسہ" کے نام سے ایک اور تصنیف کی جس میں جو آن نے مختلف فصلوں، موسموں اور ہندو، مسلمانوں کے تہواروں کا تذکرہ کیا ہے۔

1813ء میں نہال چند لاہوری نے "مذہب عشق" کے نام سے "قصہ گل بکاولی" کا اردو ترجمہ کیا۔ مولوی اکرام علی نے عربی کی مشہور و معروف کتاب "اخوان الصفی" کا صاف اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ مولوی اکرام علی 1814ء میں نورٹ ولیم کالج میں محافظ دفتر تھے۔ "تاریخ آسام" کا اردو ترجمہ قصہ لقمان اور قرآن شریف کا اردو ترجمہ بھی حسینی کے تعاون سے شائع ہوا۔

سید حیدر بخش حیدری جو نورٹ ولیم کالج کی نشی گیری پر تعینات تھے کی اکثر تصانیف فارسی کتب کے تراجم ہیں۔ حیدری نے امیر خسرو کی فارسی تصنیف "طوطی نامہ"، "نادر نامہ" کا اردو ترجمہ "تاریخ نادری" ملا واعظ کاشفی کی کتاب "روضۃ الشہدا" کا اردو ترجمہ "گلشن شہداں" اور شیخ عنایت اللہ کی "بہار دانش" کا اردو ترجمہ "گلزار دانش" کے نام سے کیا۔

اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے "حجة اللہ علی البالغہ"، "ازالۃ الخلفا" تصنیف کیں اور ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے قرآن شریف کا سب سے پہلا اردو ترجمہ 1839ء میں کیا۔ شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر نے ۱۲۱۵ھ میں قرآن شریف کا ایک دوسرا ترجمہ کیا اور ایک تفسیر

"موضوع القرآن" کے نام سے کی۔ ان کا ترجمہ بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ کتب ذریعہ اور تراجم کے علاوہ ترتیب صرف و نحو پر خاص توجہ دی گئی۔ 1809ء میں ہندوستانی گرامر منظر عام پر آئی۔

اردو نثر کی نشوونما کا ایک بڑا سبب مولوی اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی کی تحریک و ہایت بھی تھا۔ اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم خیال علماء نے متعدد کتابیں لکھیں۔ مولوی اسماعیل کی "تقویت الایمان"، "سید احمد کی" "ترغیب جہاد"، "ہدایت المؤمنین"، "نہجۃ المؤمنین" وغیرہ کے جواب میں علمائے اہل سنت نے کثیر تعداد میں رسالے لکھے۔ مولانا عبدالحسنی فرنگی محلی نے 1847ء سے 1886ء تک دہائی تحریک کے رد میں "الکلام المتین فی تحریر الوہابین"، "مفید الخائفین فی جواب من رد علی معین الخالصین"، "تحفة الاختیار"، "ابرار الغنی"، "تذکرۃ الراشد" وغیرہ لکھیں۔ مولانا عبدالحسنی فرنگی محلی نے 1865ء میں "نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن" اور مولانا عبدالباقی فرنگی محلی نے رسالہ "فی تحقیق علم الغیب"، "مولانا فضل حق خیر آبادی نے" "تحقیق الفتاویٰ"، "مولانا فخر الدین الہ بادی نے" "ازالۃ الاشکوک والاوہام" مولانا فضل رسول بدایونی نے "سیف الجبار" مولانا نذیر احمد نے "سیف المسئول علی منکر علم غیب الرسول" تصنیف کیں۔ شاہی ہند کے علاوہ چنگام سے بھی مولانا مخلص الرحمن نے "شرح الصدور" اور صوبہ پنجاب کے سید مہر علی گولڑوی نے "اعلائے کلمۃ اللہ" تصنیف کیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین نے رد و ہایت میں آٹھ کتابیں لکھیں۔ حیدر آباد دکن سے مولانا عبدالفتح نے "تحفہ محمدیہ فی رد و ہابیہ" اور سلہٹ کے مولانا عبدالقادر نے "رد بعقول" اور صوبہ سرحد سے مولانا عبدالغفور آخون نے "احقاق حق" مولانا عبدالحق غور غشتوی نے "نور الانوار" تصنیف کیں۔ بریلی سے 1840ء میں "تصحیح الایمان فی رد تقویت الایمان" مولانا محمود شاہ خاں نے

تصنیف کی۔ یہ سب کتابیں اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کے رد میں برصغیر ہند و پاک کے گوشہ گوشہ سے شائع ہوئیں۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی نے بھی "تقویت الایمان" کی رد میں "اصول الرشاد" تصنیف کی جو انتہائی جامع اور مدلل کتاب ہے۔

اس شر سے ایک پہلوئے خیر یہ برآمد ہوا کہ اردو نثر میں تفسیر، اصول تفسیر، علم الکلام، عقائد، فقہ، اصول فقہ وغیرہ علوم و فنون کی کتابیں جہاں اردو نثر کا سرمایہ بنیں وہیں اردو نثر کے رواج اور مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ اہل اردو کی کاوشوں سے اردو زبان میں جمیع علوم و فنون کی کتابیں لکھی گئیں۔

اردو نثر کے ارتقا میں عیسائی پادریوں کا حصہ

اردو نثر کے ارتقا میں عیسائی پادریوں کے کارنامے بھی کم قابل ذکر نہیں ہیں۔ 1805ء میں بائبل سے متعلق "عہد جدید" کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ مارٹن نے 1814ء میں "عہد جدید" کا یونانی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ 1816ء سے 1819ء تک پوری بائبل کا اردو ترجمہ پانچ جلدوں میں شائع کیا گیا جس سے زبان اردو کی وسعت و ترقی میں تعاون ملا۔

لکھنؤ سکول کی خدمات

نثر اردو کا آغاز دکن سے ہوا لیکن فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کے نشوونما اور ارتقا میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ یہ وہ دور تھا جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی۔ دلی تباہ ہو چکی تھی، انجام کار تلاش معاش میں سرگرداں اہل کمال نے لکھنؤ کا رخ کیا۔ گویا دلی کے بعد لکھنؤ علم و فن اور شعر و سخن کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اہل لکھنؤ کی خدمات بھی اس میدان میں کم نہیں۔ 1824ء میں سرور نے "فسانہء عجائب" تصنیف کی جو اپنے اسلوب کے لحاظ سے منفرد ہے۔ ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے سرور کی زبان کا اس طرح تجزیہ کیا ہے۔

"فسانہء عجائب کی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا دقیق اور رنگین دوسرا آسان جس میں سرور نے اپنے عہد کی نہایت فصیح، شگفتہ اور با محاورہ زبان استعمال کی ہے۔ دقیق اور رنگین زبان نئے بیان تمہید اور ابتدا صبح و شام کی کیفیت یا کسی کی تعریف و توصیف کے موقع پر ملتی ہے جہاں وہ نئے نئے استعارے اور تشبیہیں صرف کر کے عبارت آرائی اور انشا پر دازی کے جوہر دکھاتے ہیں" ۱

گو کہ سرور نے طرز قدیم کی پابندیوں سے آزادی حاصل نہیں کی بلکہ مروجہ قیود کی تقلید کی لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نثر کی تازگی اور شگفتگی کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ سرور نے شاہ نصیر الدین حیدر کے حکم سے "شمشیر خانی" کا ترجمہ 1847ء میں اردو میں "سرور سلطانی" کے نام سے کیا۔ 1851ء میں نواب سکندر بیگم والی بھوپال کے حکم سے "شدر عشق" تصنیف کی۔ 1856ء میں رئیس سندیلہ نواب امجد علی خاں کی فرمائش پر "شگوفہ محبت" تصنیف کی لکھنؤ کے باکمال مصنفین نے ادب اردو کے سرمایہ کو وسعت دی اور "بوستان حکمت"، "گل بکاولی"، "گلشن نو بہار"، "گل صنوبر"، "نورتن" وغیرہ تصنیف کیں۔

اس زمانہ میں مقفی، مسجع نثر مقبول تھی اور اس سے اجتناب مشکل تھا لہذا اس دور میں لکھی جانے والی تصنیفات میں سلیس عبارت کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ عبارت میں تکلف و تصنع بہت زیادہ ہے۔ مقفی و مسجع نثر اتنی مقبول تھی کہ "سرور سلطانی" جیسی تاریخی کتاب بھی اسی زبان میں لکھی گئی۔ اس دور میں "الف لیله" کے متعدد ترجمے منظر عام پر آئے اور مقبولیت حاصل کی۔ اس طرح اس زمانہ کی نثر عصری تقاضوں کے تحت دقیق، رنگین اور مقفی و مسجع تھی۔

اردو نثر کے ارتقا میں پریس کا حصہ

1837ء میں حکومت نے قانون بنا کر پریس کو آزادی دی جس کے باعث اردو کے اخبارات ملک کے طول و عرض سے شائع ہونے لگے۔ اخبارات کی کثرت اشاعت اور موضوعات کے بہتات نے اردو نثر کے نشوونما پر بہت اچھا اثر ڈالا جس کے باعث اردو نثر ارتقا کی منزلوں پر تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ 1852ء تک صوبہ مغربی اور شمالی میں پریس تھے اور چھبیس اخبارات شائع ہوتے تھے۔ 1853ء میں سینتیس پریس قائم ہو گئے اور اردو کے تیس اخبارات شائع ہونے لگے۔ پریس اور اخبارات کی تعداد سے واضح ہوتا ہے کہ اردو نثر عوام میں کافی مقبول ہو چکی تھی۔ 1854ء میں مزید اضافہ ہوا اردو کے چالیس پریس ہو گئے اور تینتیس اخبارات شائع ہونے لگے۔ صرف 1853ء میں ایک سو پچانوے کتابیں ان پریسوں سے شائع ہوئیں۔ ۲

گارساں دتاسی نے اخبارات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"یہ اخبارات کامیاب ہوئے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ جغرافیہ، ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز اور مفید مضامین نکلتے رہتے ہیں ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن پر تکلف نہیں ہوتا کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔" ۳

دلی کالج

1804ء کے بعد دلی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حلقہ اثر میں آچکی تھی۔ پورے ملک میں جو تہذیبی رونما ہو رہی تھی اس کا اثر یہاں بھی پڑا۔ چنانچہ 1825ء میں دلی کالج قائم ہوا جس میں ہر مضمون کی تعلیم

دی جاتی تھی۔ جو ایجوکیشن کمیٹی کالج کا نظم و نسق چلاتی تھی وہ کچھ کتابوں کا ترجمہ اردو میں بھی کر چکی تھی جس کی وجہ سے اردو کی اعلیٰ تعلیم ممکن ہو سکی۔ 1835ء تک اردو زبان ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکی تھی اور اس زبان کی نثر بالغ ہو کر مقبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی اس لئے فارسی کے بجائے اردو کو سرکاری دفاتروں کی زبان قرار دیا گیا۔ اس لئے سرکاری دفاتروں میں کام کاج اردو میں کئے جانے لگے جس سے اردو روٹی روزی سے جڑ گئی۔ انجام کار اہل ملک کو اردو کی مہارت حاصل کرنا ان کی زندگی کی اہم ضرورت بن گیا اور اردو نثر کا رواج عام ہو گیا۔ قدیم روش سے ہٹ کر مرزا اسد اللہ خاں غالب نے بھی اردو نثر میں چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں اور انہوں نے اپنے معاصرین کو مکتوب بھی اردو میں ہی لکھے۔ انہوں نے مراسلت میں مروجہ قدیم قاعدوں کو توڑ دیا جس سے سہل، شیریں اور بامحاورہ اردو نثر کے اچھے نمونے معرض وجود میں آئے جس کو ہم عصروں نے پسند بھی کیا اور اختیار بھی کیا۔

سر سید اور ان کے رفقاء

اردو نثر کے ارتقا میں سر سید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ 1864ء میں سر سید احمد خاں نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد مختلف علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس سوسائٹی سے وابستہ اہل قلم نے تاریخ، بایوگرافی، زراعت، فلاحیت، اقتصادیات وغیرہ علوم پر کتابیں لکھیں۔ سوسائٹی نے ایک رسالہ "ایلیگزٹھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" شائع کیا جس میں مختلف موضوعات پر اردو میں مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی اخبارات کے عمدہ مضامین کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جاتا تھا۔ 1870ء میں انہوں نے "تہذیب الاخلاق" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ اس رسالہ کے ذریعے سر سید نے جدید اردو نثر کی بنیاد رکھی۔ مولانا حالی تو سر سید کو جدید اردو نثر کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ سر سید کی نثر کی خوبی یہ تھی کہ وہ انتہائی پیچیدہ، مشکل اور دقیق مضامین کو خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی انتہائی صاف، سلیس اور سادہ نثر میں لکھتے

تھے۔ غالباً مرزا غالب کے طرز کا سب سے زیادہ اثر سر سید نے قبول کیا اور انہوں نے مرزا غالب کے نقش اول کو آگے بڑھایا۔ رام بابو سکینہ کا خیال ہے

"ان (سر سید) کے طرز جدید نے قدیم تصنع نگاری پر جو بیدل اور ظہور کی فاری تقلید میں اردو میں بڑھتی جاتی تھی ایک ضرب کاری لگائی اور یہ ثابت کر دیا کہ سادہ اور بے تکلف عبارت میں تصنع سے زیادہ خوبیاں ہیں۔" ۱

سر سید کی تصانیف آثاء الضادید، تاریخ ضلع بجنور، تاریخ یرکشی بجنور، خطبات احمدیہ، تفسیر قرآن اور انجیل مقدس کی تفسیر سے اردو نثر کے جدید طرز کو فروغ ملا۔ انہیں کے رفیق کار مولانا حالی نے "حیات سعدی"، مقدمہ شعر و شاعری، "یادگار غالب"، "اور حیات جاوید" لکھ کر اردو نثر کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ حالی نے 1882ء میں "حیات سعدی" لکھ کر سوانح نگاری کے نئے نقطہ نظر سے اہل اردو کو آشنا کرایا۔

سر سید کے دیگر رفقاء میں نواب محسن الملک نے "تہذیب الاخلاق" میں بے شمار مضامین لکھنے کے علاوہ انگریزی کتاب "فرینچ ریپوبلیکشن اینڈ پولین" کا اردو ترجمہ "سرگزشت پولین بونا پارٹ" کے نام سے کیا۔ مولوی چراغ علی نے بھی اس دور میں کثیر تصانیف کیں جن میں "تحقیق الجہاد"، "تعلیقات"، "رسول برحق"، "اسلام کی دنیوی برکتیں"، "قدیم قوموں کی مختصر تاریخ"، "بی بی ہاجرہ" وغیرہ تصنیف کر کے اردو کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

جدید اردو نثر کو فروغ دینے والوں میں مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی، مولوی ذکا اللہ، مولوی سید احمد خاں وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد حسین آزاد بے مثال انشا پرداز ہیں۔ آب حیات، نیرنگ خیال، سخندان فارس، دربار اکبری آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

"آب حیات" مولانا آزاد کی ادبی صلاحیتوں اور انشا پر دازی کا بہترین نمونہ ہے۔ "نیرنگ خیال" میں تمثیلی افسانے ہیں جو انگریزی افسانوں کی تقلید ہیں۔ "مخدان فارس" علم السنہ پر بے مثال تصنیف ہے۔ "دربار اکبری" میں شہنشاہ اکبر کے عہد کی مکمل تاریخ ادبی پیرائے میں پیش کی گئی ہے۔ آزاد نے اپنی تحریر میں تشبیہ و استعارات کا کثرت سے استعمال کیا ہے مگر تحریر میں روانی ہے۔ آزادی کی تحریر میں زندہ دلی، شگفتگی اور ظرافت بھی موجود ہے۔ آزادی کی یگانہ طرح تحریر اردو انشا پر دازی میں اپنی مثال آپ ہے۔

نذیر احمد اردو ناول کے موجد ہیں۔ ان کے ناول اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ نذیر احمد نے قوم کی خستہ حالی، جہالت اور ضعیف الاعتقادی پر "مرآۃ العروس" اور "بنات النعش" جیسے بہترین ناول لکھے۔ ان کے ناولوں میں مرآۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح اور ابن الوقت انتہائی مقبول ناول ہیں۔ نذیر احمد کے سارے ناول سبق آموز اور نصیحت خیز ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا اس کے علاوہ امہات الامت، منتخبات الحکایات، الحقوق والفرائض جیسی مذہبی کتابیں بھی لکھیں۔ نذیر احمد کا ایک خاص اسلوب ہے۔ ان کا اسلوب صاف اور زوردار ہے۔ آپ نے محاورات، ضرب الامثال اور روزمرہ کے الفاظ کے استعمال سے عبارت میں چاشنی اور کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو نثر کے ارتقا پر مذہبی اختلاف کا اثر:

سر سید احمد خاں بزم خود مسلمانوں میں عظیم انقلاب لانا چاہتے تھے۔ مسلمان قوم جو سینکڑوں سال تک حکمرانی کرتی رہی تھی وہ اب محکوم ہو چکی تھی۔ مایوسی کا دور دورہ تھا۔ قوم کے زوال کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمان قوم میں قدیم تقلیدی رجحان ہونے کے باعث جدید عصری تقاضوں کو پورا کرنا مشکل تھا۔ اس لئے سر سید نے مسلمانوں میں شعور و ادراک پیدا کرنے اور زمانے کے ساتھ چلنے

کے لائق بنانے کیلئے انقلابی تحریک کا آغاز کیا۔ وہ قوم کی ترقی کو حاکم وقت کی زبان، اسکی تعلیم، طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو اختیار کرنے پر منحصر سمجھتے تھے۔ مغربی افکار و نظریات سے وہ اتنا متاثر ہو گئے تھے کہ انہوں نے مشرقی تہذیب و تمدن کو بے وقت کی راہی قرار دیا۔ مسلم قوم کو بامعروض پر پہنچانے کی دھن ان پر اتنی سوار ہو چکی تھی کہ وہ ہندوستان کے مشرقی معاشرہ کو مغربی انداز فکر میں ڈھالنے کیلئے سرگرداں تھے۔ اس کام کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے قدیم اسلامی عقائد پر بھی نثر زنی کی۔ انجام کار قیامت، حشر، نثر، جنت و دوزخ، فرشتہ وغیرہ کی جدید توضیح کی جس کی وجہ سے مسلم قوم میں انتشار پیدا ہوا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ سر سید کے افکار و نظریات اور عقائد کی تردید کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ سر سید اور ان کے رفقاء کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے رد میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ سر سید کے جدید نظریات کی مخالفت مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی اور "مدرسہ اہل سنت" بریلی کے بانی مولانا نقی علی خاں نے بڑی شد و مد سے کی۔

مولانا نقی علی خاں بریلوی ؒ نے مغربی لباس، آداب معاشرت وغیرہ (جو سر سید کے محبوب تھے اور جنہیں وہ مسلم معاشرہ میں عام کرنا چاہتے تھے) کی بہت زبردست مخالفت کی اور مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب اسلام سے دوری قرار دیا اور مسلمانوں کی فلاح اور ترقی کیلئے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو ضروری قرار دیا اور اپنے نظریہ کی تبلیغ کیلئے کتب تصنیف کیں۔ اپنی تصانیف میں مولانا نے اسلامی آداب، طرز معاشرت اور لباس وغیرہ کو مغربی لباس اور طرز معاشرت پر فوقیت دی۔ مولانا نقی علی خاں نے اپنے ہم عصر علما کی ادق طرز تحریر سے ہٹ کر انتہائی صاف، سادہ، سلیس اور با محاورہ زبان استعمال کی۔ مولانا کی نثر تصنع سے پاک ہے۔

مولانا نقی علی خاں ؒ جہاں مغربی طرز معاشرت اور آداب و اخلاق کے مخالف تھے وہیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اور غلط رسم و رواج کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ ان رسوں کو مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی زوال کا سبب بھی مانتے تھے۔ انہوں نے مسلم معاشرہ میں رائج غیر

اسلامی فضول رسموں کی مخالفت کی اور اصلاح معاشرہ کیلئے "ہدایت البریہ الی شریعۃ الاحمدیہ" لکھی۔ گویا اردو نثر میں اسلامی معاشرت پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی تصنیف ہے۔ سرسید نے اپنے موقف کی حمایت میں اور ان کے حواریوں نے سرسید کی حمایت میں متعدد کتابیں لکھیں۔ دوسری جانب سرسید کے مخالفین نے بھی سرسید اور ان کے معاونین کے رد میں کثیر تعداد میں کتب تصنیف کیں۔ اس طرح دنیا اور آخرت کے متعلق مختلف موضوعات پر اردو نثر کی کتب میں کثیر اضافہ ہوا۔ چونکہ سرسید کا مخاطب عوام تھے اس لئے انہوں نے عام بول چال کی زبان کو ہی اختیار کیا۔ ساتھ ہی سرسید کے مخالفین کو بھی اپنا پرانا طرز تحریر ترک کر کے عوام کی عام فہم اور روزمرہ کی زبان کو استعمال کرنا پڑا۔ اس لئے علمائے دین نے بھی مسجع، مقفی، مرصع اور اداق زبان سے اجتناب کیا۔ اس باہمی کشمکش سے اردو نثر کو نہ صرف جلد ملی بلکہ اردو نثر کے رواج کو بھی راہ ملی اور سادہ و سلیس اردو مذہبی اداروں میں بھی رواج پائی۔

.....☆☆☆☆☆.....

بَاب دوم

مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی،
فکری اور ادبی حالات



باب دوم

مولانا تقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی، فکری و ادبی حالات

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال کا آغاز ہوا۔ انگریز فرانسیسی، پرتگالی وغیرہ نے مغلوں کے سیاسی زوال سے فائدہ اٹھانے اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے نئی نئی چالیں چلنا شروع کیں۔ اندرون ملک مرہٹوں و جاٹوں و سکھوں جیسی طاقتیں سر اٹھانے لگیں۔ دلی کی مرکزی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں معذور تھی اور اس میں خود سر طاقتوں کا سر کچلنے کی سکت نہ تھی۔ مرکز کی کمزوری نے صوبیداروں کو بھی بغاوت پر آمادہ کر دیا چنانچہ بنگال، اودھ، پنجاب اور دکن کے صوبیداروں نے آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اسی زمانے میں شمالی ہندوستان میں روہیلوں کی ایک نئی طاقت ابھری۔ جانابز روہیلوں نے علاقہ کٹھیر میں قسمت آزمائی کی اور انجام کار نواب علی محمد خاں (م 1748ء) نے علاقہ کٹھیر میں باقاعدہ روہیلہ حکومت قائم کی اور علاقہ کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے منسوب ہوا۔ 1774ء میں نواب شجاع الدولہ اور انگریزوں کے اشتراک سے روہیلہ حکومت کو ختم کر دیا گیا۔ روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد روہیلوں کو بری طرح تباہ و برباد کیا گیا۔ اس تباہی و بربادی کا تذکرہ کرتے ہوئے سید مصطفیٰ ہی بریلوی لکھتے ہیں۔

"روہیلہ سردار کی شہادت کے بعد روہیلکھنڈ بری طرح پامال ہوا۔ رعایا کو خوب لوٹا گیا اور روہیلوں کے گاؤں و بستیاں ویران و خاکستر کر دی گئیں۔ ہزاروں روہیلے روہیلکھنڈ چھوڑ کر گنگا پار چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ اسلامی شعائر اور مساجد تک کی توہین کی گئی۔" ۱

۱۔ خان بہادر خاں شہید۔ مرتبہ: سید مصطفیٰ علی بریلوی۔

روہیلکھنڈ پوری طرح سے والی اودھ نواب شجاع الدولہ کے زیر اقتدار آ گیا۔ 1801ء میں انگریزوں نے روہیلکھنڈ پر اپنا اقتدار جمایا اور اس طرح 1801ء سے انگریز روہیلکھنڈ پر پوری طرح سے قابض و دخل ہو گئے لیکن روہیلکھنڈ کے عوام نے والی اودھ اور انگریزوں کے اقتدار کو ناراض نہیں کیا۔ چنانچہ 1794ء میں دو جوا (فتح گنج بھجی) کے مقام پر نواب آصف الدولہ اور اس کے حلیف انگریزوں سے روہیلوں کی جنگ ہوئی جس میں روہیلوں نے اپنی روایتی داد شجاعت ادا کی لیکن قسمت نے یادری نہ کی۔ روہیلکھنڈ کے حریت پسند عوام اپنی شکست پر بے چین رہے اور یہ بے چینی بریلی کے عوام نے 1816ء میں مفتی محمد عیوض کی قیادت میں ظاہر کی۔ مفتی محمد عیوض نے سبز ہلالی پرچم حسین باغ بریلی میں لہرایا۔ یہ باغ آج بھی شہر بریلی کے غرب میں واقع ہے۔ ہزاروں ہتھیار بند ہندو مسلمان مفتی محمد عیوض کے ارد گرد جمع ہو گئے اور پہلی بھیت، رام پور و شاہجہانپور جیسے دور دراز علاقوں کے عوام بھی اس جنگ میں شریک ہوئے۔ انگریزوں کے مقابلہ میں پہلی مرتبہ مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی۔ انہوں نے بریلی سے انگریز اور اس کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور مجاہدین نے بریلی پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔

انگریز نے اپنی شکست فاش کا بدلہ لینے کیلئے اپنی طاقت کو جمع کیا اور پھر مجاہدین پر حملہ کیا۔ ہزاروں مجاہدین شہید ہوئے اور انگریزوں نے بریلی پر پھر قبضہ کر لیا۔ اس شکست کے بعد بھی روہیلکھنڈ کے غیور عوام نے ہمت نہ ہاری اور اپنا کھویا ہوا سیاسی اقتدار اور ملی وقار حاصل کرنے کیلئے برابر کوشش کرتے رہے۔ ان کی آخری کوشش 1857ء کا وہ معرکہ تھی جس میں انہوں نے خسان بھادر خاں کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی اور روہیلکھنڈ کے دار السلطنت بریلی اور اس کے گرد و نواح پر مشتمل قومی حکومت قائم کر لی۔ بریلی سے انگریزوں کے فرار کی سرگزشت مولوی نجم الغنی خاں کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

"صبح یعنی 31 مئی کو اتوار کے دن سب یوروپین اور کرچین حسب معمول عبادت کے واسطے گر جائیں جمع ہوئے۔ 9 اور 10 بجے

کے دوران مسیحی محمد بخش عرف جنرل بخت خاں صوبیدار تو پختا
پلٹن نمبر 18، 68 پیادگان ہندوستانی اور نمبر 8 سواران ہندوستانی
متعینہ چھاؤنی بریلی باغی ہوا اور توپ کا فیر ہوا۔ یہ فیر گویا اطلاع
اس بات کی تھی کہ فوج باغی ہوگئی۔ فیر کے بعد گولے جلد جلد چلنے
لگے مسلح سپاہی دیوانوں کی طرح ادھر ادھر پھر رہے تھے۔" ۱

تقریباً چودہ ماہ تک روہیلکھنڈ کے حریت پسند عوام نے انگریزوں کو آزاد حکومت کے حدود
کے قریب پھٹکنے تک نہ دیا۔ یہ دور روہیلکھنڈ کا سنہرا دور تھا۔ عوام میں اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور علاقہ
روہیلکھنڈ میں خوشحالی نے قدم جمائے تھے۔ نواب خاں بہادر خاں کے دور اقتدار کی خوشحالی کا
تذکرہ کرتے ہوئے محترمہ انیس فاطمہ رقم طراز ہیں۔

"اس دور میں کثرت سے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات ہوئیں
اور ان میں کسی قسم کی بے اطمینانی اور انتشار نہیں پایا جاتا تھا۔
ہر چیز ارزاں اور بہتات سے تھی۔ گرانی کا کہیں نام نہ تھا
خان بہادر خاں کے زمانہ حکومت میں پورا شہر رات بھر جاگتا تھا۔
بازار کھلے رہتے، سڑکوں اور گلی کوچوں میں بڑی رونق اور چہل
پہل رہتی۔ لوگ نواب کی انتظامی قابلیت اور مایا پروری کے
بڑے مداح تھے۔ مسجدیں، مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر ہو رہی
تھیں۔ لوگ امن و امان کی ڈونڈی پیٹتے تھے۔ ہر چیز ارزاں ہوگئی
تیل روپیہ کا پانچ سیر، گھی روپیہ کا ڈھائی سیر اور گیہوں بیس سیر کے
حساب سے فروخت ہو رہا تھا۔" ۲

افسوس روہیلکھنڈ کی یہ فارغ البالی اور خوش حالی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ 1857ء کے

معرکہ میں اودھ انگریزوں کے مقابلہ میں شکست کھا چکا تھا۔ نواب رام پور نے انگریزوں کی غلامی کا
کلاوہ پہن رکھا تھا۔ خود مرکز نیست و نابود ہو چکا تھا۔ مغلیہ خاندان کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر انگریزوں
کی قید میں پہنچ چکا تھا۔ تنہا روہیلکھنڈ انگریزوں کی طاقت کو کہاں تک جھیلتا۔ چنانچہ انگریزوں نے
روہیلکھنڈ کے اطراف و جوانب کو اپنے استبدادی پنجے میں جکڑنے کے بعد 6 مئی 1857ء کو روہیلہ
نواب کے مقابلہ پر عظیم فوجی طاقت لے کر مقابلہ پر آگئے۔ بریلی کے مشرق میں ٹکٹیا کے کنارے
مجاہدین اور انگریزوں کی فوج کا مقابلہ ہوا۔ مجاہدین نے خوب خوب داد شجاعت دی لیکن تلوار بندوق کا
مقابلہ نہ کر سکی، مجاہدین پسپا ہوئے، بریلی اور اس کے نواحی علاقوں پر پھر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ نوابی فوج
منتشر ہوگئی اور نواب خاں بہادر خاں نے راہ فرار اختیار کی۔ بہادر شاہ ظفر کی شکست اور مجاہدین جنگ
آزادی کے استحصال کے بعد انگریز بلا شرکت غیرے ہندوستان کے مالک بن گئے۔

ہندوستان کے عوام ہمیشہ سے فراخ دل رہے زمانہ قدیم سے تو میں اس ملک میں آتی رہیں
آباد ہوتی رہیں جس کے باعث ہندوستان کے عوام اپنے مذہبی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے شیرو
شکر بن کر رہے جس کے سب سے زیادہ اثرات مغلیہ دور حکومت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس
دور میں ہندوستان کے افراد نے باہمی اشتراک سے مشترکہ تہذیب و تمدن کو جنم دیا تاکہ اتحاد و اتفاق کی
جڑیں مضبوط ہوں اور عوام سکون قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اتحاد و اتفاق کا جذبہ اس وقت اور بھی
عروج پر پہنچ جاتا ہے جب مذہبی حدیں ختم کر کے ایک مشترکہ مذہب ایجاد کیا گیا۔ یہ انتہا پسند اقدام تھا
جس کے باعث اتفاق و اتحاد کو فروغ تو نہ ملا لیکن عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور ان کو
یقین ہونے لگا کہ حکومت وقت ان کے قدیم آبائی مذہب کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ عوام کے اس تصور نے
تحفظ مذہب کے نام پر اپنے اپنے مفاد کی گمرانی کیلئے سعی کی جس کے باعث اتحاد و اتفاق کی دیوار میں
دراڑیں پڑنے لگیں اور مشترکہ مذہب جس اتحاد و اتفاق کو قائم کرنے کیلئے وضع کیا گیا تھا وہی مذہب اتحاد

و اتفاق کیلئے مقرر ثابت ہوا۔ مرہٹے، راجپوت اور جاٹ مسلح بغاوت پر آمادہ ہوئے جس کے باعث ملک کے اندر نفرت و انتشار کا ماحول بنا جس سے ہندوستان کی فارغ البالی اور خوشحالی میں رخنہ پڑا۔ اس لئے ہندوستان کے دانشور طبقہ نے ملک میں امن و سکون کے قیام اور انسانیت کی بقا و تحفظ کیلئے انسانیت کا پیغام دیا اور اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے عبدالرحیم خانخاناں، ملک محمد جہانسی، راجہ رام موہن رائے وغیرہ نے اپنے دھرم کے ماننے والوں کو انسانیت کا پیغام دیگر دھرم کی صحیح تصویر اور مفہوم کو واضح کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلم علماء و فضلاء نے بھی امن و سکون قائم کرنے کیلئے عظیم کوششیں کیں۔ یہ کوششیں طویل عرصہ تک جاری رہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، سید احمد مشہدی وغیرہ علماء نے انسانیت کو معیار مان کر ملک میں اخوت و محبت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسلام کا صحیح تعارف کرانے کیلئے ماحول کا سازگار اور پر امن ہونا ضروری تھا۔ اس لئے علماء و مشائخ نے فراخ دلی کے ساتھ انسانیت کا پیغام دیا۔ مسلم فقرائے اہل ہند کو اسلام سے متاثر کرنے کیلئے ان کے دلوں میں جگہ پیدا کی حتیٰ کہ تصوف کے ساتھ ویدانت کو بھی مسلم صوفیوں نے قابل اعتنا سمجھا اور یوگ و زہد میں مطابقت پیدا کی اور بھجن و کیرتن کی طرز پر قوالی کو رواج دیا تاکہ اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانے میں سہولت ہو۔ علماء صوفیا اور مشائخ کی کوششوں کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے قریب آئے، انہوں نے مسلمانوں کی زبان کو پڑھا اور سیکھا۔ سرکاری زبان فارسی عام لوگوں کی زبان بنی جس کے باعث اسلام کو سمجھنے میں غیر مسلموں کو کافی سہولت ملی اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کے کافی قریب آئے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے لباس کو پہننا باعث فخر و امتیاز سمجھا جانے لگا۔ ہندوستان کے قدیم لباس کی طرف سے ہندوستانی عوام کی توجہ اپنی اور مسلمانوں کی لباس کو بڑی حد تک قبول کیا جس کے باعث مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور جذبہ خیر سگالی نے عوام کو قریب سے قریب تر کر دیا۔

جذبہ خیر سگالی کا فروغ ہی اردو زبان کی شکل میں نمودار ہوا اور اردو مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی زبان بنی۔ عربی، فارسی و ترکی کو مسلمانوں کی زبان اور سنسکرت، پالی، پراکرت وغیرہ کو ہندوؤں کی زبان کہا جاتا تھا۔ یہ لسانی فرق بھی اردو نے جنم لے کر ختم کر دیا۔ اردو تمام ہندوستانیوں کی زبان بنی۔ زبان کی یکسانیت کی وجہ سے عوام کے ذہن و فکر میں یکسانیت پیدا ہو گئی۔ اس فکری و ذہنی یکسانیت نے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ یہی تہذیب آگے چل کر گنگا۔جمنی تہذیب کہلائی۔

ہندوستانی عوام ایسٹ انڈیا کمپنی کی چالوں کا شکار ہوئے اور مغلیہ حکومت برائے نام رہ گئی اور انگریز اپنی اصلی غایت حاصل کرنے کیلئے سرگرم ہو گئے۔ ان کا اصل مقصد ہندوستان پر اقتدار جمانا تھا۔ انہوں نے ہندوستان پر اقتدار جمانے کیلئے کہیں علاقائی منافرت کا بیج بویا تو کہیں مذہبی تعصب کو ہوا دی تاکہ ہندوستانی عوام فکری طور پر منتشر ہو جائیں چنانچہ انہوں نے بہت ہی مکاری کے ساتھ مختلف مذاہب کے درمیان حدود رقابت پیدا کرنے کیلئے سیاسی چالیں چلیں۔

ایک طرف انہوں نے ہندو مذہب کے تحفظ و بقا کے نام پر ہندوؤں کو سرگرم کیا تو دوسری جانب مسلمانوں کو ہندوؤں سے بدظن کرنے کیلئے غلط افواہوں کا سہارا لیا۔ راجپوتوں کو مرہٹوں سے، مرہٹوں کو جاٹوں سے بھڑایا۔ ہندوستانی سماج میں انتشار پیدا کرنے کے بعد انہوں نے عیسائیت کی تبلیغ کیلئے مختلف مراکز قائم کئے اور ہندوستانی زبانوں میں عیسائی دھرم کا لٹریچر شائع کیا تاکہ ہندوستانی عوام کو عیسائی بنا کر اور ان کے جذبات عیسائی حکومت سے جوڑ دیئے جائیں۔ اس کام کیلئے انہوں نے ہندوستانی معاشرت کے ساتھ معیشت کو بھی تباہ و برباد کیا۔ جدید مشینوں کی ایجاد اور ان سے بنی ہوئی اشیاء کا مقابلہ ہندوستانی کاریگروں کی بنائی ہوئی اشیاء کے مقابلہ میں انتہائی سڈول، خوبصورت اور پائیدار ہونے کے ساتھ کم قیمت بھی ہوتی تھیں۔ اس لئے ہندوستانی عوام مشین سے بنی ہوئی اشیاء کو ہی قبول کرنے لگے۔ انجام کار ہندوستانی کاریگر اور دستکار بیکاری کا شکار ہو گئے۔

انگریز ہندوستان سے کچا مال معمولی قیمت پر انگلینڈ لے جاتے اور وہاں مشینوں کی مدد سے

اشیا تیار کر کے ہندوستان میں ہی ہندوستانیوں کے ہاتھ فروخت کر کے ہندوستانیوں کو ذہنی اعتبار سے مغلوب کر رہے تھے۔ انگلینڈ کی بنی ہوئی اشیا معیاری اور اعلیٰ تصور کی جاتی تھیں۔ ذہنی اعتبار سے ہندوستانی عوام انگریزوں سے مغلوب اور فکری اعتبار سے انگریزوں کے مقابلہ میں احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے گویا ہندوستانی عوام سیاسی زوال سے ہی دوچار نہ ہوئے بلکہ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی مجبور و لاچار ہو گئے تھے۔ غریبی، بے کاری، مفلسی ان کی قسمت میں لکھی جا چکی تھی۔ ملک کی سیاست و معیشت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی انہوں نے انگریزیت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے اسی لئے ہندوستانی عوام میں انگریزیت کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں اور وہ انگریزی معاشرت کے دلدادہ ہو گئے۔ یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ انگریز اہل ہند کے مذہب کو ہی ختم کر دیں گے۔

اہل ہند کے دماغ میں یہ بات بھی سرایت کر گئی تھی کہ انگریزوں کا مقصد صرف حکومت کرنا ہی نہیں بلکہ یہاں کے عوام کو عیسائی بنانا ہے۔ ایک طرف بیدار مغز لوگ مضطرب تھے تو دوسری جانب ہندوستانی عوام انگریزوں کی سازشوں سے بے پرواہ ہو کر بیہر بازی، کبوتر بازی، مرغ بازی، چوسر، بچھری تاش، پتہ، سوانگ و ناچ رنگ وغیرہ تباہ کن عیوب میں گرفتار تھے۔ ان عیوب نے ملی اعتبار سے عوام کو دیوالیہ بنا دیا تھا۔ عوام ان عیوب و نقائص میں پڑ کر تعلیم سے بے بہرہ ہو کر جہالت کا شکار ہو گئے۔ بہر حال ایک قوم کو خود تباہ و برباد کرنے کیلئے جن مہلک جراثیم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستانیوں میں پرورش پا رہے تھے۔ دوسری جانب فاتح قوم مفتوح قوم کو نیست و نابود کرنے کیلئے جن حالات کو پیدا کرنا لازمی سمجھتی تھی وہ حالات بھی پیدا ہو چکے تھے۔ ہندوستانی معاشرہ کیلئے یہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔

ہندوستانی معاشرہ میں نشاۃ ثانیہ کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے عوام کے ذہن و فکر کو انگریزیت کی غلامی سے آزادی دلانا اور فہم و بصیرت پیدا کرنے کیلئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام اہم کام تھا جس کیلئے علماء و مشائخ نے سعی کی۔ عوام کو جہالت سے دور کرنے کیلئے اور ملت اسلامیہ کے تشخص کو

برقرار رکھنے کیلئے تعلیم لازمی تھی چنانچہ دہلی میں مدرسہ حقانی، مدرسہ رحیمیہ، مدرسہ حسین بخش اور بریلی میں مدرسہ اہل سنت قائم کئے گئے۔ بنگال و بہار میں بھی مدارس قائم کئے گئے جہاں ایسے مبلغ تیار کئے گئے جو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے فریضہ کو بخوبی انجام دے سکیں۔ عیسائیت کے خلاف علماء صف آرا ہوئے جگہ جگہ مسلم علما اور پادریوں کے درمیان مناظرے ہوئے جس میں عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور عیسائیت کی ہوا اکھڑنے لگی۔ اس قسم کے مدارس رام پور، ٹونک، جامع مسجد دہلی، علیگڑھ والہ آباد وغیرہ میں بھی قائم ہوئے جہاں کے علماء نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر عوام کی رہبری و راہنمائی کی۔

1801ء سے ہندوستان کے استحصال کی تحریک جتنی زیادہ زور پکڑتی گئی اتنا ہی ہندوستان کے باشعور طبقہ میں انگریزوں کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات بڑھنے لگے اور وہ اپنا کھوپا ہوا وقار پھر سے حاصل کرنے کیلئے سرگرداں ہو گئے۔ ہندوستانی عوام نے اپنے تمام عیوب و نقائص کے باوجود اپنے استحصال کے خلاف انگریزوں سے لڑنے کیلئے اپنی صفوں کو آراستہ کیا اور غم و غصہ کو ظاہر کرنے اور انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کیلئے 1857ء میں مسلح انگریزوں سے جہاد کیا۔ یہ مسلح جہاد کامیابی کے ساتھ روہیلکھنڈ میں لڑا گیا۔ روہیلکھنڈ میں اس جہاد کی قیادت جنرل بخت خان کے سپرد کی گئی۔ جہاد کو عملاً کامیاب بنانے کیلئے ایک جہاد کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں سرفہرست امام العلماء مولانا رضا علی خان، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بریلوی اور مولانا نقی علی خان بریلوی کے نام آتے ہیں۔ اس جہاد کمیٹی کے متعلق علامہ عبدالحکیم اشرف لکھتے ہیں:-

"جہاد کمیٹی نے فتویٰ جہاد کی تشہیر کے بعد انگریزوں کے خلاف اقدام کرنے کیلئے جنرل بخت خان کو مجاہدین کی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ امام العلماء مولانا رضا علی خان جہاد کمیٹی کے

سر پرست تھے۔ جنرل بخت خاں اور خان بہادر خاں کبھی بھی امام العلماء کی ہدایت کے بنا کوئی اقدام نہیں کرتے تھے۔" ۱

جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد ہندوستانی معاشرہ ابتلا و آزمائش کے دور سے گزرنے لگا۔ انتقامی کارروائی کی گئی اور ہزاروں بے گناہ افراد کو شہید کر دیا گیا۔ علماء و فضلاء کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ محض شبہ کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے گئے، کالے پانی کی سزائیں دی گئیں، جلاوطن کئے گئے۔ ابن الوقت، ضمیر فروش معاشرہ میں پیدا ہوئے جنہوں نے سرکار بہادر کے گن گائے اور جنہوں نے قوم سے غداری کی ان کو خطابات سے نوازا گیا اور عطیہ میں بڑی بڑی جاگیریں دی گئیں۔ ایسے روح فرسا دور میں مولانا نقی علی خاں ؒ نے اپنی قوم کو بیدار کر کے عیسائیت کے اثرات سے قوم کو محفوظ رکھنے کیلئے سیف کے بعد قلم کا سہارا لیا۔ حقیقت میں اس دور میں ہندوستانی معاشرہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ عوام میں خود اعتمادی پیدا کی جائے اور احساس کمتری کو مزاج و فکر سے نکالا جائے تاکہ عوام فکری طور پر انگریزوں سے مورچہ لینے کیلئے تیار ہوں۔ مولانا نقی علی خاں ؒ کی تصنیفات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مولانا بریلوی نے ہندوستانی عوام کو عزم دیا، حوصلہ دیا اور خود کفیل بننے کا سہارا دیا۔ مغربیت کے طوفان سے بچانے کیلئے انہوں نے مسلمانوں کو فہنی و فکری اعتبار سے تیار کیا۔ انگریزوں نے پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اپنے ظلم و تشدد کا سب سے زیادہ نشانہ مسلمانوں کو بنایا کیونکہ اس جنگ کے بانی وہی تھے اور وہی قائد بھی۔ انگریزوں کو مستقبل میں اگر کوئی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا تو وہ سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے ہی تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور آپس میں دست و گریبان رکھنے کیلئے ضمیر فروشوں کی ایک ٹولی بنائی جنہوں نے جدید طریقے تراشے اور مسلمانوں میں ان کو عام کرنے کی کوشش کی

اسلام سے لوگوں کو بددل کرنے کیلئے انگریزوں نے بہائی تحریک کو بڑھا دیا، فردوسی مسائل کو بنیاد بنا کر اختلافی ہنگامے کرائے تاکہ مسلم قوم آپسی انتشار میں سرگرداں رہے اور انگریزوں کی طرف

منہ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں مغربیت کو فروغ دینے کیلئے ترقی کے نام پر تحریکیں چلائی گئیں۔ مولانا نقی علی خاں ؒ نے انگریزوں کی ان چالوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مسلمانوں میں نئے عقائد کی تبلیغ روکنے کیلئے اور اثرات زائل کرنے کیلئے آپ نے "اصول الرشاد"، "ازالۃ الاوهام" وغیرہ کتابیں تصنیف کیں اور عقائد فاسدہ کو مسلم معاشرہ میں پرورش پانے سے روکا۔ انگریزی تعلیم کے مضار اثرات سے قوم کو بچانے کیلئے "فضل العلم و العلماء" تحریر کی عیسائیت کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ پر نازیبا حملے کیے گئے آپ نے ان کا جواب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" لکھ کر دیا۔ ہندوستانی عوام میں انگریزوں کے اقبال کو بلند کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ارباب علم و فکر و دانش سرگرم رہے جن میں مولانا تقی علی خاں کا نام سرفہرست آتا ہے۔ انہیں دانشوران قوم کی سعی کا ثمرہ تھا کہ انگریزی دور اقتدار میں بھی مسلمانوں نے اپنی دینی و اسلامی انفرادیت کو محفوظ رکھا اور انگریزوں کے خلاف جذبہء حقارت باقی رکھا۔ یہی وہ سعی تھی جو آگے جا کر پروان چڑھی اور بعد کو جدید فکری تقاضوں کے تحت جنگ آزادی کی لڑائی کا باعث بنی۔ حقیقت یہ ہے کہ 1857ء میں پہلی جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد سے 1947ء میں ملک آزاد ہونے تک نوے سالہ دور گزار جس میں ملک بے عوام نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کیلئے خود کو سنبھالا۔ اس طرح جس کام کا آغاز مولانا نقی علی خاں ؒ نے اپنی حیات میں کیا تھا اس کا انجام 1947ء میں آزادی کی نعمت کے طور پر ہندوستان کے عوام کو ملا۔

انیسویں صدی کے عوامل میں اردو نثر و نظم کے معیاری تجربے اور تخلیقات معرض وجود میں آچکی تھیں۔ اردو زبان میں زیادہ کام تفریح طبع کیلئے قصے اور کہانیوں پر مبنی ادب تیار ہوا۔ شعرا نے بھی دادِ سخن ادا کی۔ عربی کی طرف عوام کا رجحان ختم ہو چکا تھا۔ فارسی زبان کا چلن خواص تک محدود ہو گیا تھا۔ پھر بھی فارسی و عربی دینی مدارس میں پڑھائی جاتی رہی جو عوام کی زبان نہ رہ کر علماء و خواص تک محدود

ہو چکی تھی۔ میرامن نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ انیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی جاری رہا۔

مثلاً بینی نرائن نے 1811ء میں فارسی قصہ کا اردو ترجمہ "چهار گلشن" کے نام سے کیا۔ اس کے ساتھ ہی اردو نثر میں مذہبی کتابوں کے ترجمے اور کچھ تخلیقات بھی معرض وجود میں آئیں۔ خلیل علی خاں اشک نے "اکبر نامہ" کا ترجمہ "واقعات کر بلا" کے نام سے کیا۔ کاظم علی خاں جوآن نے اردو میں قرآن شریف کا ترجمہ اور فارسی زبان میں لکھی گئی "تاریخ فرشتہ" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ 19ویں صدی کی تیسری دہائی میں دینی و مذہبی کتابوں کی تصنیفات کا رجحان زیادہ بڑھ گیا۔ شاہ ولی اللہ کی "ازالۃ الخلفاء" ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین کا قرآن شریف کا ترجمہ اور ان کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن شریف اور قرآن کی تفسیر "موضوع القرآن" کے نام سے اردو میں لکھی گئیں۔ 19ویں صدی کے نصف کا دور آتے آتے اردو اخبارات بھی کافی تعداد میں شائع ہونے لگے۔ بریلی سے بھی "عمدۃ الاخبار" شائع ہوا جس کے ایڈیٹر کشمن پرساد تھے۔ اس اخبار کے متعلق گارساں دتاسی لکھتے ہیں۔

"اخبار مذکور میں حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین

ہوتے تھے۔ مثلاً ایک مضمون میں لکھنو اور

دہلی کے اردو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔"

19ویں صدی کا نصف عہد گزرنے کے بعد اردو نظم و نثر میں قصے کہانیاں لکھنے کا رواج کم ہوا اور مذہبی کتابوں کی تصنیف، تالیف و ترتیب میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ سرسید احمد خاں اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے معاشرہ کی اصلاح اور جدید علوم کی ترویج و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا جس کے تحت اردو کے ادیبوں نے مذہب اور اصلاح معاشرت وغیرہ موضوعات پر قلم اٹھایا۔ سرسید نے علیگزہ انسٹی ٹیوٹ سے "تہذیب الاخلاق" جیسے معیاری رسائل شائع کئے اس کے علاوہ "آثار الضاد" ، "تاریخ ضلع بجنور، تاریخ سیر کشی بجنور، اسباب بغاوت ہند جیسی تاریخی و سیاسی تصنیفات شائع کر کے اہل اردو میں تاریخ

نویسی کے رجحان کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ سرسید نے خطبات احمدیہ، تفسیر قرآن، تفسیر انجیل و فوز بمین وغیرہ مذہبی، دینی کتب اردو میں لکھیں۔

مولانا حالی نے حیات سعدی اور یادگار غالب کے بعد حیات جاوید لکھ کر اہل اردو کو سوانح نگاری کے نئے اسلوب سے آشنا کرایا۔ اردو میں سب سے زیادہ دینی، مذہبی اور اسلامی کتب تحریک و حمایت کی حمایت اور اس کی رد میں لکھی گئیں۔ ہندوستان میں علما نمایاں طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ انتہائی مختصر تعداد وہابی تحریک کی حمایت پر کمر بستہ تھی اور علمائے ہند کی کثیر تعداد اس تحریک کے مد مقابل صف بستہ ہو گئی۔ چنانچہ اپنے اپنے موقف کی حمایت میں دونوں گروہوں کے علما نے اردو نثر میں کتابیں لکھیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی جو ہندوستان میں اس تحریک کے محرک تھے۔ "تقویت الایمان" اور ان کے روحانی استاد سید احمد رائے بریلوی نے "ترغیب جہاد"، "ہدایت المؤمنین" اور "نصیحت المؤمنین" لکھیں۔ جس کے جواب میں علمائے فرنگی محل نے "الکلام المتین فی تحریر الراحین"، "مفید الجائفین"، "تحفة الاخیار"، "تذکرۃ الرشید" وغیرہ لکھیں۔ مولینا عبدالحلیم فرنگی محلی نے رسالہ "نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن" تصنیف کیا۔ ان کے علاوہ عبدالباقی فرنگی محلی، مولینا فضل حق خیر آبادی، مولینا فضل رسول بدایونی وغیرہ علما نے تحریک و حمایت کے رد میں کتابیں لکھ کر اردو ادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

شمالی ہند کے علاوہ بنگال سے بھی "شرح الصدور"، "صوبہ پنجاب سے" "اعلائے کلمۃ اللہ" "جنوب سے" "تحفہ محمدیہ"، "سلہٹ (آسام) سے" "رد بعقول" "صوبہ سرحد سے" "احقاق حق" شائع کیں الغرض مولینا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر میں تفسیر، اصول تفسیر، عقائد فقہیہ و اصول فقہیہ وغیرہ موضوعات پر اردو میں کافی لٹریچر تیار ہو چکا تھا۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی رد و حمایت میں کافی نمایاں کام کیا۔ آپ نے اس تحریک کی رد میں کتب تصنیف کیں اور بریلی واس کے گروہوں میں مذہبی روح پھونکی۔ علما و فضلا دینی و مذہبی

کتب تصنیف کرنے میں مصروف تھے۔ علما چاہتے تھے نئے سیاسی نظام، مغربی طرز معاشرت اور تہذیب و تمدن سے عوام کو بچانے کیلئے دینی اور اسلامی ماحول بنانا انتہائی ضروری ہے۔ اس اہمیت کے مد نظر علما نے سارا زور قلم مذہبی کتب تصنیف کرنے میں صرف کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی شعر اور ادب بانی بھی اردو زبان و ادب کی خدمت اپنا نصب العین بنایا۔

بریلی کے شاعر بھی دیگر مقامات کے ادبا و شعرا کے ہم آواز رہے۔ چنانچہ بریلی کے افق ادب پر جو ادیب و شاعر نمایاں نظر آتے ہیں ان میں نواب محبت خاں محبت (متوفی 1809ء)، میر غلام علی عشرت (متوفی 1821ء)، میر حسین شاہ حقیقت (متوفی 1834ء)، شیخ علی بہادر بیمار (متوفی 1854ء)، نواب عبدالعزیز خاں عزیز (متوفی 1891ء) اور نواب نیاز احمد خاں ہوش کے نام نمایاں ہیں۔

میر غلام علی عشرت نے والیء رامپور نواب محمد سعد اللہ خاں کی فرمائش پر 1815ء میں "سحر البیان" لکھا۔ 152 اوراق پر مشتمل "سحر البیان" کا قلمی نسخہ رضا لاہیری۔ رامپور میں موجود ہے۔ "سحر البیان" ایک نثری داستان ہے جس میں شہزادہ یوسف اور شہزادی حسن آرا کی فرضی عشقیہ کہانی پیش کی گئی ہے۔ عشرت زود گو شاعر بھی تھے۔ انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ عشرت کے دیوان کا قلمی مخطوطہ رضا لاہیری۔ رامپور میں موجود ہے۔

میر حسین شاہ حقیقت بریلی نے "صنم کدہ چیں" 1795ء میں تصنیف کی۔ جو جنوری 1847ء میں مطبع محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب علم صنم بازی سے متعلق ہے جو حقیقت بریلی کے زمانے میں مروج تھا مگر اب معدوم ہے۔ حقیقت بریلی نے اپنے بڑے بھائی سید محمد حسن شاہ ضبط بریلی کی فارسی تصنیف کا اردو نثر میں "جذب عشق" کے نام سے ترجمہ کیا۔ اصل کتاب ایک سچے واقعہ پر مشتمل ہے۔ حقیقت بریلی کی تیسری تصنیف فارسی کی کتاب "تحفة العجم" کے نام سے ہے۔ غالباً یہ لغت غیر مطبوعہ ہی رہی کیونکہ مطبوعہ نسخہ کا ہنوز سراغ نہ مل سکا۔ اس لغت کا مخطوطہ 1848ء

میں تیار کیا گیا تھا جو آزاد لاہیری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے حبیب کلکشن میں موجود ہے۔ حقیقت بریلی کی ایک اور تصنیف "خزینۃ الامسال" ہے جو 1854ء میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ "تذکرہ احبا" کے نام سے انہوں نے اپنے ہم عصر کا ملین کا ایک تذکرہ لکھا۔ یہ تذکرہ ہم دست نہیں ہوا۔ "تذکرہ احبا" کا ذکر "تذکرہ خوش معرکہ زیبا" میں ہے۔

حقیقت بریلی کی نثری کاوش "مثنوی ہفت گلزار" 1851ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی جس میں 1476 اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ مثنوی "ہیرا من طوطا" 1852ء میں کا کچھ پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ یہ مثنوی عشقیہ قصہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد علم یوگ پر ہے۔ یہ بریلی کی پہلی مثنوی ہے جو با تصویر شائع ہوئی۔ حقیقت بریلی قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا دیوان غزل، مزارع، رباعی، غصہ، مثلث، قطعہ وغیرہ اقسام شعر پر مشتمل ہے۔ حقیقت کا یہ دیوان غالباً شائع نہیں ہوا کیونکہ اس کے مطبوعہ نسخہ کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ حقیقت کے دیوان کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس کا سائز 8 1/2 x 6 ہے اور تعداد صفحات 158 ہے۔ ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں۔

علی بخش بیمار بریلی نے "بوستان خیال" کا "طلسم بیضا" کے نام سے 1856ء میں ترجمہ کیا۔ اس کا مخطوطہ رضا لاہیری۔ رامپور میں موجود ہے۔

نواب عبدالعزیز خاں عزیز بریلی بلند پایہ شاعر اور جید عالم تھے۔ انہوں نے "سیل بخشش"، "آئینہ آخرت"، "جزو مدر" اور "مجالس العلوم" کے نام سے چار کتابیں لکھیں جن کا موضوع مذہبی عقائد اور مسائل ہے۔ "مجالس العلوم" کا قلمی نسخہ رضا لاہیری۔ رامپور میں موجود ہے۔ انہوں نے ملا حسن کاشی کے "ہفت ہند" کا اردو نظم میں ترجمہ "ہفت کوکب" کے نام سے کیا جو 1872ء میں شائع ہوا۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلی فن شاعری میں طاق اور شہرہ آفاق تھے۔ علم ہندسہ، ہیئت

کے بھی ماہر تھے۔ ان کی چار تصنیفات ملتی ہیں۔ "حدیقہء نعت"، "تاریخ روہیلاکھنڈ"، "کلیات ہوش" اور "مثنوی ترانہ ہوش"۔ کلیات ہوش 1894ء میں مطبع گلشن فیض لکھنؤ سے شائع ہوا۔ انہوں نے ایک رسالہ گلدستہ ہوش افزا بھی شائع کیا جس کی طباعت مطبع نظامی کانپور سے ہوئی۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ علما و مشائخ کار حجام اردو میں مذہبی لٹریچر شائع کرنے کا رہا۔ ادیبوں اور شاعروں کی کاوشوں سے بھی معیاری ادبی و شعری تخلیقات معرض وجود میں آئیں۔

.....☆☆☆☆☆.....

محباب سوم

مولانا تقی علی خاں کی حیات و شخصیت



باب سوم

مولانا نقی علی خاں کی حیات و شخصیت

انیسویں صدی کا ابتدائی دور ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کیلئے انتہائی پر آشوب دور تھا۔ مسلمانوں میں نئی نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں جو مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مسلمان زبردست کشتکش کا شکار تھے۔ ایک طرف پوری ملت اسلامیہ مذہبی خانہ جنگی کا شکار تھی۔ کفر و شرک و بدعت کے شور و غوغا سے پورا مذہبی ماحول گرد آلود تھا۔ دوسری جانب انگریز مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اپنے اقتدار کے مواقع بڑھا رہے تھے۔ یہ ماحول مسلمانوں کیلئے انتہائی کمپری کا تھا۔ مسلمانوں کے جو نامور علماء و دانشور تھے ان میں سے بیشتر جہاد آزادی میں کام آگئے تھے اور جو باقی بچے وہ اس مذہبی اور سیاسی بحران سے ملت اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

اس مسلم مخالف طوفان کو روکنے کیلئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے علوم نقلی و عقلی دونوں میں پوری دستگاہ حاصل ہو اور تمام علوم و فنون میں ممتاز مقام رکھتا ہو۔ جو ایک جانب توحید کی شمع روشن کرے تو دوسری جانب فخر کن و مکمل صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی کا پرچم لہرائے اور نئی مسلم کش تحریکوں کا منہ توڑ جواب دے سکے۔ انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخری سال میں ایک ایسی ہی گراں مایہ اور عبقری شخصیت نے اس دنیائے آب و گل میں قدم رکھا جسے عالم اسلام مولانا مفتی نقی علی خاں کے نام سے جانتا ہے۔

امام العلماء مولانا مفتی رضا علی خاں کے فرزند مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کی ولادت مسیح جہاد الآخر یا غرہ جب ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔ آپ نے جملہ علوم و فنون کی تعلیم اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی۔ آپ ایام طفلی سے ہی پرہیز گار اور متقی

تھے کیوں کہ آپ امام العلماء مولانا رضا علی خاں رحمہ اللہ کے زیر تربیت رہے جو نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے جنکی پرہیزگاری کا جوہر مولانا نقی علی خاں کو ورثہ میں ملا تھا اور پھر بفضل ایزدی میلان طبع بھی نیکی کی طرف تھا۔ مولانا نقی علی خاں علم و عمل کے بحر ذخار تھے۔ آپ کی ذات مرجع خلائق و علمائے آپ کی آرا و اقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ و غیر مطبوعہ آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ مندرجہ ذیل علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

علم قرآن	تاریخ	اخلاق	ہندسہ
علم تفسیر	لغت	اسما الرجال	علم العقائد والکلام
حدیث	ادب (مع جملہ فنون)	بدیع	علم نحو
اصول حدیث	تکسیر	منطق	علم صرف
سلوک	فلسفہ	ہیات و حساب	معنی و بیان
تصوف	سیر	علم فرائض	قرأت
مربعات	علم جفر	علم زائچہ	علم توقیت
نظم عربی	نظم فارسی	نظم اردو	نثر عربی
نثر فارسی	نثر اردو	خط نسخ	خط نستعلیق
تلاوت مع تجوید	علم معانی و بیان	فقہ حنفی	فقہ جملہ مذاہب
اصول فقہ	جدل مہذب	مناظرہ	۱۔

آپ درج بالا تینتالیس علوم و فنون کے علاوہ منطق و فلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ بعض کے موادات ملے جن کے اول و آخر یا وسط کے اجزاء گم ہو گئے تھے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ موادات کتب کن علوم و فنون سے متعلق تھے۔

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ آپ کے بحر علمی کا اعتراف آپ کے عم عصر

علماء نے بھی کیا۔ آپ عالم اسلام کی ان مقدس ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے تاحیات علم و عرفان کے دریا بہائے۔ آپ نے زبان و قلم کے ذریعہ اشاعت دین اور ناموس رسالت کیلئے جہادِ پیہم کیا۔ آپ کے علم و فضل کی شہادت کیلئے آپ کی تصانیف شاہد و عادل ہیں۔ عوام و خواص کی رشد و ہدایت کیلئے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں اور کئی کئی صفحات پر بھاری ہوتے تھے۔

ایک بار امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے لکھا اور اس کی تائید مع تحقیق آٹھ اوراق میں جمع کیں۔ جب امام احمد رضا نے اپنا لکھا ہوا فتویٰ مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کے سامنے پیش کیا تو مولانا نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ سب ورق رد ہو گئے۔ اس طرح کے جملوں کا اثر خود اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا رحمہ اللہ کے الفاظ میں:-

"وہی جملے اب تک قلب میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان

کا اثر باقی ہے۔" ۱

مولانا نقی علی خاں کے علم و فضل، انکی تجربہ علمی اور جامعیت کا اندازہ امام احمد رضا کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد اشرف پکھوچھوی کو کی تھی۔ امام احمد رضا بیان کرتے ہیں۔

"رد و ہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ

بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طیب حاذق

کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طیب حاذق

(مولانا نقی علی خاں) کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں۔" ۲

اس طرح مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ علم و عرفان کا مخزن اور رشد و ہدایت کا شاہکار نظر آتے ہیں۔ قلمی طور پر آپ نے دین مبین کیلئے جو کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک آپ کے علم و فضل کی شہادت دیتے رہیں گے۔

۱۔ الملفوظ (حصہ اول) از: مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان مطبوعہ: مکتبہ رضا، بریلی ص 85

۲۔ ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ شماره فروری، مارچ 94۔ مکتبہ رضا، بریلی، ص 54

عقد اور اولاد

مولانا نقی علی خاں کی شادی مرزا اسفند یار بیگ لکھنوی کی دختر حسینی خانم کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرزا اسفند یار بیگ کا آبائی مکان لکھنؤ میں تھا مگر آپ نے مع اہل و عیال بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ مسلک سنی تھے۔ ۱

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل اولادیں یادگار تھیں۔

1 : احمدی بیگم زوجہ غلام دستگیر عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں

2 : اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ

3 : مولانا حسن رضا خاں رحمہ اللہ

4 : حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں

5 : مولانا محمد رضا خاں

6 : محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطا اللہ خاں

احمدی بیگم امام احمد رضا خاں سے عمر میں بڑی تھیں۔ آپ کا نکاح یکم ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو غلام دستگیر خاں عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں سے ہوا جو محلہ جوسو بریلی کے رہنے والے تھے۔ ۲ احمدی بیگم کے دو فرزند مولوی علی احمد خاں اور مولوی علی محمد خاں تھے اور ایک دختر محمودی جان تھیں جنکا عقد مولوی حشمت اللہ تلمیذ مولانا نقی علی خاں سے ہوا تھا۔ مولوی حشمت اللہ خاں علیگزہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور ریٹائر ہونے کے بعد بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ محمودی جان کے ایک فرزند محمد اسحاق اللہ خاں عرف پیارے میاں بیرسٹر پروفیسر علیگزہ تھے۔

احمدی بیگم کے فرزند اکبر علی احمد خاں لاؤلفوت ہوئے اور دوسرے فرزند علی محمد خاں کے

۱۔ ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ شماره فروری، مارچ 94۔ مکتبہ رضا، بریلی، ص 54

۲۔ قلمی دستاویز نکاح دختر مولانا نقی علی خاں

صرف ایک دختر ذکیہ سلطانہ تھیں۔

2- مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر علیحضرت مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی تھے۔ آپ کا نکاح شیخ فضل حسین عثمانی کی دختر ارشاد بیگم کے ہمراہ ہوا تھا۔ شیخ فضل حسین عثمانی کی زوجہ یعقوبی جان تھیں جو غلام فرید خاں کی دختر تھیں۔ غلام فرید خاں، غلام دستگیر خاں کے بیٹے تھے۔ غلام دستگیر خاں شہزادہ مکرم خاں کے بیٹے تھے۔ شہزادہ مکرم خاں، محمد اعظم خاں رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر تھے۔

امام احمد رضا خاں کے دو فرزند تھے۔ پہلے فرزند مولانا حامد رضا خاں جو حجۃ الاسلام کے نام سے معروف ہوئے اور دوسرے فرزند محمد مصطفیٰ رضا خاں تھے جو مفتی، اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوئے مولانا حامد رضا خاں کی شادی کنیر عاتشہ کے ساتھ ہوئی تھی جو مولانا نقی علی خاں کی دختر حجاب بیگم کی بیٹی تھیں۔ مفتی، اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا عقد اپنے چچا مولانا محمد رضا خاں کی دختر فاطمہ بیگم کے ساتھ ہوا تھا۔ جبکہ ایک فرزند انوار رضا خاں ۶ جمادی الاول ۱۲۵۰ھ ہفتہ کے دن ظہر کے وقت پیدا ہوئے۔ ایک سال آٹھ ماہ تین دن کی عمر میں ۹ محرم ۱۳۵۲ھ کو شب میں وصال ہوا اور اپنے پردادا مولانا نقی علی خاں کی پاکستی دفن کئے گئے۔ مولانا مصطفیٰ رضا خاں مفتی، اعظم ہند کی سات دختران تھیں۔ جن میں سے ایک صفیہ بیگم یکم ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ کو پیدا ہوئیں اور ۷ محرم ۱۳۵۲ھ بروز بدھ ساڑھے بارہ بجے دن فوت ہوئیں اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کی گئیں۔

بقیہ چھ دختران (۱) نگار فاطمہ (۲) انوار فاطمہ (۳) برکاتی بیگم (۴) رابعہ بیگم (۵) ہاجرہ بیگم (۶) شاکرہ بیگم ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔

امام احمد رضا خاں کی پانچ دختران تھیں۔ (۱) محمد مصطفیٰ بیگم زوجہ حاجی شاہد علی خاں۔ دوسری دختر کنیر حسن تھیں جن کا عقد حمید اللہ خاں بن احمد اللہ خاں سے ہوا تھا جو رئیس اعظم شہر کہنہ کفایت اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ تیسری دختر کنیر حسین کا عقد حکیم حسین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں کے ہمراہ ہوا

تھا۔ کنیر حسین کا انتقال امام احمد رضا خاں کے وصال کے ۲۱ دن بعد ہوا۔ چوتھی دختر کنیر حسین کا عقد مولانا حسین رضا خاں خلف مولانا حسن رضا خاں حسن کے ساتھ ہوا۔ پانچویں دختر مرتضائی بیگم کا عقد مجید اللہ خاں ابن احمد اللہ خاں ابن حاجی کفایت اللہ خاں رئیس شہر کہنہ روہی ٹولہ کے ساتھ ہوا۔

3- مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اوسط مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی کی شادی اصغری بیگم دختر علیم اللہ خاں بن شاہ اعظم خاں بن معظم خاں بن سعادت یار خاں بن شجاعت جنگ سعد اللہ خاں کے ہمراہ ہوئی۔ آپ کے تین فرزند (۱) مولانا حکیم حسین رضا خاں (۲) مولانا حسین رضا خاں (۳) فاروق رضا خاں پیدا ہوئے۔ فاروق رضا خاں لاؤلفوت ہوئے۔ حکیم حسین رضا خاں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی امام احمد رضا خاں کی دختر کنیر حسن سے ہوئی اور دوسری شادی مولانا حامد رضا خاں کی دختر ام کلثوم سے ہوئی۔

4- حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں کے دو فرزند اور تین دختران تھیں۔ فرزند اکبر واجد علی خاں تھے۔ دوسرے فرزند شاہد علی خاں تھے

5- مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اصغر مولانا محمد رضا خاں عرف ننھے میاں تھے۔ ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ والد ماجد مولانا نقی علی خاں کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کی۔ مولانا محمد رضا خاں کی ایک دختر فاطمہ بیگم تھیں جن کا عقد مفتی، اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں سے ہوا۔

6- محمدی بیگم کا عقد کفایت اللہ خاں خلف عطا اللہ خاں سے ہوا تھا۔

تذکرہ و پسران

مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے تین فرزند تھے جن کے اہل و عیال کا تذکرہ مندرجہ بالا ہو چکا ہے۔ یہاں ہم تینوں پسران کا تفصیلی ذکر کر رہے ہیں۔

علی حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۰ اشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ ظہر کے وقت شہر بریلی کے محلہ ذخیرہ میں اہلی والی مسجد کے پاس آپ کے آبائی مکان میں ہوئی۔ ۱۔ آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خاں نے آپ کا نام احمد رضا تجویز فرمایا۔ ۲۔ آپ کا بچپن بہت ناز و نعم میں گزرا۔ آپ فطری طور پر بہت ذہین تھے اور حافظہ بہت زبردست تھا حقیقت یہ ہے کہ آپ کا بچپن پاکیزہ اخلاق، اتباع سنت اور حسن سیرت سے مزین تھا۔ شروع سے ہی آپ کی پیشانی پر سعادت و ارجمندی کے آثار نمایاں تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی ذہانت و وفات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے صرف چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا تقی علی خاں سے کی۔ ۱۳ شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ اسی دن فتویٰ نویسی کا کام سپرد کیا جو تاحیات جاری رہا۔ آپ نے فتویٰ نویسی کے کام میں اپنی انفرادیت اور نمایاں حیثیت سبھی اہل علم سے منوالی۔ آپ نے ابتدائی کتب جن اساتذہ سے پڑھیں ان میں مرزا مولوی غلام قادر بیگ بریلوی

۱۔ الملفوظ (جلد اول) از: مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں مکتبہ رضا، بریلی ص ۱۵

۲۔ سوانح اعلیٰ حضرت از: مولوی بدرالدین احمد رضا اسلامک مشن، بریلی ص ۷۷

ہیں۔ ان سے آپ نے میزان منشعب کی تعلیم حاصل کی باقی تمام درسی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالحی راپوری، سید شاہ ابوالحسن نوری، سید شاہ آل رسول مارہروی شیخ احمد بن زین دحلان مکی، شیخ عبدالرحمن مکی و شیخ حسین بن صالح ہیں۔ ۱۔ امام احمد رضا کی تعلیم کے سلسلہ میں بعض لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام احمد رضا نے فلاں مدرسہ میں تعلیم حاصل کی یا فلاں مولوی سے پڑھا وغیرہ اسی طرح بریلی کالج بریلی کے فارسی کے استاد ایم۔ ایم جلالی نے اپنی کتاب "خرمن شعور" میں لکھا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے مصباح العلوم بریلی میں درس لیا جو بالکل غلط تحقیق کے خلاف اور بے بنیاد ہے۔ ایم۔ ایم جلالی صاحب لکھتے ہیں:-

مدرسہ مصباح العلوم پورے ہندوستان میں مشہور تھا جس کی بابت معتبر روایت میں ہے کہ اسکی بنیاد مولوی قاسم نانوتوی نے رکھی تھی اور یہاں مفسر اعظم مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے عالمی شہرت کے حامل عرصہ دراز تک درس حدیث و قرآن دیتے رہے۔ دنیائے اسلام کے قائد ملت اور امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں جیسے تجرید تخصیص و جید عالم نے اسی مدرسہ میں فیض شعور و کمال حاصل کیا۔ ۲

جلالی صاحب نے امام احمد رضا خاں کا مدرسہ مصباح العلوم میں فیض و شعور حاصل کرنے کا کوئی ماخذ نہیں لکھا اور نہ ہی کوئی ثبوت پیش کیا ہے۔ مصباح العلوم کا ابتدائی نام مصباح التہذیب ہے جو ۱۸۷۲ء میں قائم ہوا۔ امام احمد رضا خاں نے ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں تقریباً چودہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی تھی۔ اس طرح امام احمد رضا خاں نے مصباح التہذیب کے قیام سے تین سال قبل ہی فراغت کی سند حاصل کر لی تھی تو انہوں نے مصباح التہذیب میں کب اور کیسے تعلیم حاصل کی یہ بات سمجھ

۱۔ الاجازات المتینہ از: امام احمد رضا ناشر: ادارہ اشاعت تصنیفات، بریلی ص ۳۰۵ تا ۳۰۷

۲۔ خرمن شعور از: ایم۔ ایم جلالی مطبوعہ بریلی ص ۷۶

سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ خود امام احمد رضا خاں نے اپنے اساتذہ کے جو اسمائے گرامی رقم فرمائے ہیں ان میں مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہے کہ امام احمد رضا نے نہ ہی مصباح العلوم میں تعلیم حاصل کی اور نہ ہی مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولانا قاسم نانوتوی آپ کے استاد تھے۔

امام احمد رضا خاں نے علوم درسیہ کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی بھی تحصیل کی۔ حیرت یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی راہنمائی کے بغیر آپ نے خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً چوں ہے۔ کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی واقف نہ ہوں گے۔ ۱

شرف بیعت

۵ جمادی الآخر ۱۲۹۳ھ کو اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف حاضر ہو کر سید شاہ آل رسول قادری برکاتی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اسی مجلس میں شاہ صاحب نے آپ کو خلافت و جملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔ ۲

زیارت حج

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے پہلا حج اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ ۲۳ ویں سال کی عمر میں ۱۸۷۸ء میں اور دوسرا حج اکیاون سال پانچ ماہ کی عمر میں ۱۹۰۵ء میں کیا۔ ۳

حرم مکہ میں امامت

دوران حج مکہ کے جلیل القدر علمائے حنفیہ مثلاً مولانا شیخ کمال مفتی حنفیہ، مولانا

۱۔ ماہنامہ قاری، دہلی (امام احمد رضا نمبر) ماہ اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۳۴۱

۲۔ الملفوظ، ص ۳۲۲

۳۔ حیات اعلیٰ حضرت از: مولانا ظفر الدین بھاری

سید اسماعیل محافظ کتب حرم خفی نماز کے وقت اپنی جماعت کرتے تھے جن میں وہ امام احمد رضا خاں کو امام بناتے تھے۔

سچے عاشق رسول

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق نبوی سے سرشار تھا، آپ کا سینہ عشق رسول کا گنجینہ تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-
بجد اللہ اگر قلب کے دو گلوے کئے جائیں
تو خدا کی قسم ایک پر لا الہ الا اللہ اور
دوسرے پر محمد رسول اللہ ہوگا۔ ۱

تاجدار علوم و فنون

تحریر، تدریس و تقریر یہ تینوں چیزیں ابلاغ و تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہیں۔ امام احمد رضا نے تحریر کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور پوری زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ آپ نے چون سے زیادہ علوم پر تقریباً ایک ہزار کتب تصنیف کیں۔ ۲ عالم اسلام میں ایسا کوئی عالم نہیں گزرا جو اس قدر علوم و فنون پر دسترس رکھتا ہو۔ امام احمد رضا خاں اپنی ذات سے ایک یونیورسٹی تھے۔ یوں تو امام احمد رضا کے بہت سے علمی امتیازات ہیں لیکن مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قرآنیات

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ کو اردو، عربی، فارسی پر پورا عبور حاصل تھا، آپ نے عشق و محبت کی زبان میں قرآن مقدس کا عظیم الشان اردو ترجمہ کیا جو اردو نشر کا عظیم شاہکار ہے۔ آپ کے ترجمہ قرآن مجید "کنز الایمان" میں حفظ مراتب کے ساتھ عشق رسول اس طرح جاری ہے جس

۱۔ امام احمد رضا رباب علم و دانش کی نظر میں از: مولانا یونس اختر مصباحی مطبوعہ: مبارکپور ص ۶۵

۲۔ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ از: مولانا عبدالمجیب رضوی مطبوعہ بنارس ص ۱۰۷

طرح لہوشریانوں میں۔ یہ ترجمہ 1911ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ اس ترجمہ کی اہمیت و انفرادیت کا اندازہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کے اس تبصرہ سے لگایا جاسکتا ہے:-

”امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ اپنی مثال آپ ہے۔ کسی کتاب کا ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینہ سے دل نکال کر دوسرے سینہ میں رکھنا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں، پھر قرآن مقدس جیسی کتاب کا ترجمہ کرنا اور بھی مشکل ہے۔ ہر ترجمہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معنی کا جاننا بھی بہت ضروری ہے جو اس عہد میں لئے جاتے تھے جس عہد میں کتاب سامنے آئی کیونکہ زمانے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ اور معنی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

اردو کے تمام مترجمین میں امام احمد رضا اس لئے فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کا ذہنی افق نہایت وسیع تھا وہ نہ صرف اردو، عربی زبان داں اور ماہر تھے بلکہ ان علوم و فنون پر بھی دسترس رکھتے تھے جن سے قرآن بحث کرتا ہے۔ ایک مترجم قرآن وہ ہے جس کی نظر عربی، اردو ادب پر بھی ہے، لفظیات، لسانیات پر بھی ہے۔ فقہ پر بھی ہے۔ فلکیات، ریاضیات اور طبیعیات

پر بھی الغرض 55 علوم و فنون پر دستگاہ رکھتا ہے کنز الایمان میں امام احمد رضا کی ذہنی و فکری وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ جب ایک صاحب علم و عمل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات و مشاہدات اس کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔“ ۱

امام احمد رضا خاں کا اردو ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ عالم اسلام میں انتہائی مقبول ہو چکا ہے اور اب اس کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی ہو رہا ہے چنانچہ پاکستان میں پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب نے کنز الایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹر حنیف فاطمی نے انگریزی میں ترجمہ کیا جو مجلس رضا انجمن کے تعاون سے قرآن کمپنی لاہور نے شائع کیا ہے۔

سائنسی بصیرت

علی حضرت مجدد امام احمد رضا ؒ کو سائنسی علوم پر بھی اتنا ہی عبور حاصل تھا جتنا دینی علوم پر۔ آپ کے سامنے چاہے کتنا ہی پیچیدہ سائنسی مسئلہ پیش ہوتا آپ اس کو فی الفور حل کر دیتے تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی کہ کتابوں کی مدد کے بغیر اس مسئلہ کا حل پیش کر دیتے تھے۔ مثلاً سان فرانسسکو (امریکہ) کے ایک سائنسدان پروفیسر البرٹ ایف۔ پونا کی یہ پیش گوئی کہ 17 دسمبر 1919ء کو آفتاب کے سامنے کئی ستاروں کا اجتماع ہوگا اور ان کی مجموعی کشش کے نتیجہ میں دنیا میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً زبردست تباہی مچے گی۔ یہ پیش گوئی ایکسپریس، مائکی پور، پنڈے کے 28 اکتوبر 1919ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

امام احمد رضا سے جب اس پیش گوئی پر استفسار کیا گیا تو آپ نے اس پیش گوئی کو نفی کر دیا

اور اس کی رد میں اردو میں ایک سائنسی رسالہ بعنوان ”معین مبین بھردور شمس و سکون زمین“ (۱۳۳۸ھ) تحریر کیا۔ دنیائے دیکھا کہ البرٹ ایف۔ پوٹا کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو لکھا وہی ظہور میں آیا۔ اس رسالے کے علاوہ آپ نے آئن سٹائن اور آئزک نیوٹن کے خیالات کا بھی تعاقب کیا اور تین مزید سائنسی رسالے تحریر کئے اول الکلمۃ الملمہ دوم فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۳۳۸ھ اور سوم نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان ۱۳۳۸ھ مطبوعہ لاہور۔ پاکستان

امام احمد رضا نے مذکورہ بالا سائنسدانوں کے نظریات کا رد کیا اور قرآن سے ثابت کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج دوسرے سیارے زمین کے گرد گردش میں مصروف ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یورنیورسٹی، اسلام آباد کے پروفیسر ابرار حسین نے ”فوز مبین در رد حرکت زمین“ کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر حواشی بھی لکھے ہیں۔ اٹلی کے طبیعیات مرکز TRIEST میں اس کتاب کے بعض اوراق کا عکس موجود ہے۔ امام احمد رضا نے سائنس، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ علوم پر جو بھی کتابیں لکھیں وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ کو قرآن مجید اور احادیث پر پورا عبور حاصل تھا اور اسی وجہ سے آپ نے قرآن اور سائنس کو کبھی علیحدہ نہیں کیا اور سائنس کے ہر موضوع پر لکھ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تمام علوم و فنون موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کی علم و فن کو مذہب سے علیحدہ نہیں سمجھتے تھے اور اس کا یقین ثبوت یہ ہے کہ جب پروفیسر حاکم علی خاں (م ۱۹۴۴ء) نے جو اسلامیہ کالج، لاہور میں ریاضی کے پروفیسر تھے اور اپنے فن کے ماہرین میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے امام احمد رضا سے نظریہ حرکت زمین سے متعلق استفسار کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا:-

”غریب نواز کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جائیں
تو پھر انشاء اللہ سائنس کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے“۔

امام احمد رضا نے جو جواب لکھا وہ مسلمان سائنسدانوں کیلئے انتہائی قابل غور ہے۔
”محبت فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات و دوراز کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کیا جائے جا بجا سائنس کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو سائنس کا ابطال و اسکاٹ ہو۔ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنسدانوں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں۔“۔

فقیہیات

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فقہی تحقیقات کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تر بصیرت عطا فرمائی تھی جسکی ایک فقیہ کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمت میں جو بھی مسائل آتے تھے آپ ان کا محققانہ جواب تحریر فرماتے تھے۔ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ فتاویٰ رضویہ ہے جو پانچ ہزار صفحات میں بارہ حصوں پر مشتمل ہے جس میں آپ نے فقہ حنفی کو نہایت مدلل انداز میں قلم بند کیا ہے فتاویٰ رضویہ کے بعد کسی دوسرے مجموعہ فتاویٰ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فتاویٰ رضویہ کا بہت بڑا حصہ اردو زبان میں ہے۔ اس سے قبل اتنا بڑا اور اتنا مدلل مجموعہ فتاویٰ اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ اہم بات یہ ہے کہ امام احمد رضا سے جس زبان میں سوال کیا جاتا تھا آپ اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ بقول ڈاکٹر حسن رضا خاں

”اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کی بارگاہ میں جس زبان میں استفسار کیا جاتا تھا اسی زبان میں فتویٰ صادر فرماتے تھے حد یہ ہے کہ اگر کسی نے منظوم سوال کیا تو جواب بھی منظوم ہی دیا۔ منظوم سوال جس بحر میں ہے جواب کیلئے بھی اسی بحر کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس سے زبان پر قدرت اور قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے مندرجہ ذیل زبانوں میں جواب دیئے گئے (۱) اردو نثر و نظم (۲) فارسی (۳) عربی (۴) انگریزی۔“ ۱

مجدد امام احمد رضا کی فقیہانہ بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے فتاویٰ میں دلائل کی کثرت ہے ایک ایک استفتا کے جواب میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مسائل جدیدہ کا حل بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑے استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مثلاً بعض مصنوعات میں شراب کی آمیزش یا کسی اور حرام چیز کی آمیزش کا شبہ ہو اس کا کیا حکم ہوگا؟ ٹیلیفون، ٹیلیگرام، ریڈیو وغیرہ کی خبروں کا اعتبار ہوگا کہ نہیں؟ ان سے قرآن حکیم کی تلاوت و سننا اور آیت مجیدہ پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح حکومتوں کے تغیر سے ہندوستان وغیرہ کو دارالحرب مانا جائے یا دارالسلام؟ اس طرح کے ہزاروں مسائل کا حل امام احمد رضا نے بڑے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

امام احمد رضا کے دور کے مشاہیر علماء و فقہاء جو خود مرجع فتویٰ اور ماہر فقہ تھے انہوں نے بھی امام احمد رضا سے استفادہ حاصل کیا۔ یہ سلسلہ پاک و ہند تک ہی نہیں بلکہ جاز مقدس تک کے علمائے کرام نے بھی استفادہ حاصل کیا۔ چنانچہ ۱۳۲۲ھ میں جب آپ دوبارہ حج کیلئے گئے تو حرم شریف میں قاضی مکہ مفتی حنفیہ، حضرت مولانا صالح کمال فدی سرہ نے علم غیب سے متعلق پانچ سوال کئے۔ آپ نے صرف آٹھ گھنٹے میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے انتہائی مدلل جواب ”الدولة المکیہ بالمادات الغیبیہ“

رسالہ لکھا اس کے علاوہ حرم شریف میں ہی خطیب حرم مولانا عبداللہ اور مولانا حامد محمد احمد نے استفتائیں کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے جواب میں قوت استدلال کو دیکھ کر مکہ معظمہ کے اکابر علماء و فقہاء بھی عیش عیش کرا گئے۔

امام احمد رضا اور عشق رسول

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا ؒ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی پوری زندگی عشق رسول کا آمینہ ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول سے سرشار ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری عشق رسول کا مظہر ہے۔ امام احمد رضا خاں ؒ نعتیہ شاعری میں بھی امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔

جملہ اصنافِ سخن میں نعت گوئی انتہائی دشوار گزار فن ہے۔ نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جس کا دل سرکارِ مدینہ ﷺ کی محبت کا گنجینہ ہو اور علم شریعت سے پوری طرح واقفیت ہو۔

امام احمد رضا کا مجموعہ نعت ”حداائق بخشش“ عشق حبیب کی شعری تصویر ہے اور قرآن و حدیث کے مطابق ایسے سلیقہ سے آراستہ کیا ہے کہ شاعرانہ عظمت کی تصویر منہ سے بول رہی ہے۔ آپ نے وارفتگی و شوق کے باوجود ہوش کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ہر طرح سے نعت کے آداب و ملحوظ خاطر رکھے۔

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا کا شعر و سخن میں کوئی استاد نہیں تھا ان کے سامنے شاعر بنی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عاشقانہ کلام اور محبت رسول پر جان نچھاور کر دینے والی زندگی آپ کے سامنے تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو

نقش قدم حضرت حسان بس ہے

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا ؒ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اس میدان میں خوب داد تحسین حاصل کی۔ آپ کے اشعار کے ہر ہر لفظ سے رسول اللہ ﷺ کی الفت و محبت کا سمندر

موازن ہے۔ ایک محب صادق محبوب کی بارگاہ میں نغمہء محبت اس طرح چھیڑتا ہے۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے

تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں

سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

امام احمد رضا کے کلام سے خلوص و محبت کی خوشبو آتی ہے وہ اپنے درد کا مداوا اور غمخوار سرکار

انبیاء ﷺ کو سمجھتے ہیں یہی آپ کا ایمان ہے۔

انہیں کی بومایہ سخن ہے، انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے

انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

امام احمد رضا ﷺ کی نعتیہ شاعری کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے چار زبانوں میں

ایک نعت کہی اس سے پہلے امیر خسرو نے تین زبانوں میں غزل ضرور کہی لیکن اس میں وہ مضمون آفرینی،

بندشوں کی چستی اور گداز کی کیفیتیں نظر نہیں آتیں جو کلام رضا میں ہیں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تو رے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

امام احمد رضا ﷺ اردو کے پہلے نعت گو شاعر ہیں جنہوں نے مجازیہ شاعری کی طرف قطعی توجہ

نہیں دی کیونکہ ان کے نزدیک مجازیہ شاعری محمود نہیں تھی۔ مجازیہ شاعری کے بارے میں آپ کا ذوق یہ

تھا کہ مجازیہ شعر پڑھنے کے بعد تجدید و وضو مستحب ہے۔ جیسے حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینا مکروہ ہے، ان

کے استعمال سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر وضو کرنا مستحب ہے اسی طرح مجازیہ شعر پڑھنے کے بعد امام احمد رضا

کے نزدیک وضو کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”حمد، نعت، منقبت کے علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنے

کے بعد تجدید وضو مستحب ہے۔“ ۱۔

مولانا صرف حمد، نعت و منقبت کو ہی مستحسن سمجھتے ہیں اور ان کے ریاض شعری نے حمد، نعت،

منقبت کا ہی احاطہ کیا ہے۔ عشق نبوی کی شدت آپ کی حمد میں بھی نمایاں ہے جسکی مثال اردو کی نعتیہ

شاعری میں کہیں نظر نہیں آتی۔ مولانا فرماتے ہیں

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستان بتایا

تجھے حمد ہے خدایا، تجھے حمد ہے خدایا

امام احمد رضا ﷺ کی وجدانی شاعری پر پروفیسر الہی بخش اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:-

”ان کے جذب دروں نے ان کے کلام کو سوز و ساز بخشا

اور ان کے علم فن نے ان کے پیرایہ اظہار کو جلا بخشی۔ مولانا

ایک طرف عاشق صادق تھے تو وہیں دوسری طرف علوم دینی و

دنیوی کی گہرائی و گیرائی، فکری و فنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت

عالمانہ تبحر نے ان کے کلام کو لافانی بنا دیا ہے۔“ ۲۔

نثر نگاری

علی حضرت مجدد امام احمد رضا ﷺ کو نظم کی طرح نثر پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ آپ

زبردست کہنہ مشق ادیب اور نثر نگار تھے۔ آپ کی تحریر میں بلا کی سلاست و روانی ہے۔ بر محل شیریں

الفاظ کا استعمال، استعارات کی جودت، ان کے حسین انداز بیان اور نفاست جذبات کا آئینہ دار ہیں۔

جب ایک عیسائی نے قرآن مجید پر اعتراض کرنے کی گستاخی کی تو آپ نے اپنی کتاب

”الصمصام“ میں عیسائیوں کے عقائد پر اس طرح تبصرہ کیا:-

”خدارا انصاف وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن۔ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں۔ ایک خدا کو تین مانیں۔ پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں۔ بے مثل بے کفو کیلئے جو رو بتائیں بیٹا ٹھہرائیں۔ اس کی پاک بندی، ستھری کنواری ماں و پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جو رو ہونے کی تہمت لگائیں۔ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی۔ باپ خدا اور بیٹا کس کھیت کی مولیٰ، باپ کے جہنم کو بیٹے سے ہی لاگ۔ سرکشوں کی چھٹی۔ بے گناہ پر آگ۔ امتی ناجی، رسول ملعون۔ معبود پر لعنت، بندے مامون۔ تف تف۔ وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چوسیں۔ اس کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اف اف وہ گندے جوانمیا، رسل پر الزام لگائیں کہ بھنگی چار بھی جن سے گھن کھائیں۔ سخت فحش بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الہی ٹھہرا کر پڑھیں۔

زہ زہ بندگی! ختمہ تعظیم۔ پتہ تہذیب تہ تعلیم۔ ل

مذکورہ بالا اقتباس پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کے قلم میں بلا کی روانی اور فکر کی جولانی ہے جو برسوں ریاض کے بعد بھی شاذ و نادر ہی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ایک مفتی سے زیادہ قادر الکلام ادیب معلوم ہوتے ہیں۔

سفر آخرت

آپ نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء بروز جمعہ وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ قبل تجہیز و تکفین سے متعلق ضروری وصیت جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے قلم بند کرائے۔

عین اذان جمعہ میں ادھر جی علی الفلاح کی آواز سنی ادھر روح پر فتوح نے داعی الی اللہ پر لبیک کہا۔ ل۔ اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا علیہ السلام کی شخصیت ایسی عبقری اور تابناک ہے کہ آج اندرون و بیرون ملک بہت سے ادارے اور یونیورسٹیاں ان پر تحقیقی کام کر رہے ہیں جن میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ادارے

- (1) : ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)
- (2) : معارف رضا، لاہور (پاکستان)
- (3) : مرکزی مجلس رضا، لاہور، مانچسٹر انگلینڈ
- (4) : ادارہ امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)، بریلی (انڈیا)
- (5) : مجمع الاسلامی، مہار کپور
- (6) : رضا اکیڈمی، بمبئی۔

یونیورسٹیاں

- | | | |
|----------------------|-----------------------|----------------------------------|
| لندن یونیورسٹی | لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ | شکاگو یونیورسٹی |
| کیلیفورنیا یونیورسٹی | الازہر یونیورسٹی مصر | عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن) |
| جبلپور یونیورسٹی | مسلم یونیورسٹی علیگزہ | کراچی یونیورسٹی پاکستان |
| حیدرآباد یونیورسٹی | کلکتہ یونیورسٹی | پٹنہ یونیورسٹی (بہار) |
| پنجاب یونیورسٹی | ل اور | روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی |

بریلی کالج بریلی میں شعبہ اردو کے سابق ریڈر، عاشق رسول، شیدائی امام احمد رضا، محبت اردو حضرت نواب حسن خاں نظامی صاحب جب روہیلکھنڈ یونیورسٹی میں نصاب کمیٹی کے کنوینٹر مقرر ہوئے تو آپ نے اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ یونیورسٹی کے ایم۔ اے اردو کے نصاب میں نعت گوئی کے

نعت امام احمد رضا خاں اور مولانا حسن رضا خاں بریلوی کے نعتیہ کلام کو شامل کیا۔ اس کے علاوہ امام احمد رضا کے اسی ساتویں پرچہ میں کسی ایک مصنف کے تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ کے تحت امام احمد رضا کا اسم گرامی اور آپ کا نعتیہ کلام ”حدائق بخشش“ کو نصاب میں داخل کیا۔ اس طرح اردو کے ہزاروں طلباء و میلہ ہنڈ یونیورسٹی میں امام احمد رضا کے علمی و ادبی کارناموں کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

حضرت نظامی صاحب کا یہ کارنامہ ایسا ہے جس کی نظیر ہندوپاک کی کسی یونیورسٹی میں نہیں ملتی

مولانا حسن رضا خاں رحمہ اللہ

مولانا حسن رضا خاں، مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کے دوسرے فرزند تھے۔ مولانا حسن رضا خاں کی ولادت ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو محلہ سوداگران، بریلی میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کی خبر جدا مجد امام العلماء حضرت علامہ رضا علی خاں کو دی گئی تو آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا ”یہ میرا بیٹا مست ہوگا“ امام العلماء کا یہ قول بالکل سچ ثابت ہوا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر شمیم گوہر لکھتے ہیں:-

”عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اپنی نعتیہ شاعری سے

حضرت حسن خود بھی مست ہوئے اور دوسروں کو بھی

مست و بخود کرتے رہے۔“

مولانا حسن رضا خاں رحمہ اللہ نے تعلیم و تربیت مکمل طور پر اپنے والد بزرگوار مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ اور برادر اکبر مجد امام احمد رضا رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ شرف بیعت خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری سے حاصل کیا تھا۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا نے دارالعلوم منظر اسلام بدیلی کا پہلا مہتمم آپ کو ہی نامزد کیا تھا۔ آپ نے ”مطبع اہل سنت و جماعت“ قائم کیا جس میں امام احمد رضا اور دوسرے علماء کرام کی کتب طبع ہوتی تھیں۔ ایک شعری گلدستہ ”بہار بے خزان“ اور ایک

ہفتہ وار اخبار ”روز افزوں“ آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا۔ استاد داغ کی شاعری کا شہرہ چاروں طرف تھا چنانچہ حسن بریلوی نے داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ مشہور زمانہ اردو شاعر علامہ سری رام لکھتے ہیں:

”جس زمانہ میں حضرت داغ رامپور میں تھے آپ

(حسن بریلوی) ان کے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک

دو مہینہ ان کی خدمت میں رہ کر صحبت سے مستفیض

ہوتے رہے۔“

امام احمد رضا کی تحریک ”تحفظ ناموس رسالت“ سے متاثر ہو کر مجازی اور رومانی شاعری کو ترک کر کے نعت گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اس صنف سخن میں اپنے برادر اکبر حضرت امام احمد رضا سے مستفیض ہوئے۔ خود امام احمد رضا خاں اپنے برادر اصغر حسن رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولانا کافی اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت

کے دائرے میں ہے ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول

بتا دیے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام

اسی اعتدال و معیار پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہ ہوتا مجھ

سے دریافت کر لیتے۔“

آپ کا مجموعہ غزل ”ثمر فصاحت“ کے نام سے شائع ہوا۔ مجموعہ نعت ”ذوق نعت“ اور ”نگارستان لطافت“ کے نام سے شائع ہوئے جن کو خوب شہرت ملی۔

مولانا حسن رضا خاں بہترین قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ نثر نگار بھی تھے۔ اگرچہ آپ کی نثری تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں ہے تاہم جو بھی تصانیف ہیں اردو نثر کی تاریخ میں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے دور کی روش سے ہٹ کر جدید طرز اختیار کیا۔ مولانا حسن

رضا کی طرز نگارش کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا عبدالوحید بیگ لکھتے ہیں:-

”ان (حسن رضا) کے مضامین انتہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پراثر ہوتے تھے۔ ان کے یہاں سادگی ہے، سلاست ہے، تصنع اور تکلف ان کی نثر میں نہیں۔ وہ بے تکلف لکھتے ہیں۔ بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اردو نثر کو رواج عام اور مقبولیت عطا کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔“ ۱

آپ کا وصال ۲۲/ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ مطابق 1908ء میں ہوا اور اپنے والد کے مقبرہ کے جانب شرق اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کے جنازہ کی نماز اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا نے پڑھائی اور اپنے دست شفقت سے قبر میں اتارا۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی، کچھ شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

حکیم سید برکت علی نامی بریلوی، حافظ احمد محشر، سید محمود علی عاشق، مولانا ہدایت یار خاں قیس، منشی اختر حسین اختر، منشی برج موہن کشور، منشی مظہر حسین مظہر، سید مسعود غوث فیض، منشی تہور علی تہور، محمود حسین اثر بدایونی، اعجاز احمد قیصر مراد آبادی، منشی دوار کا پر سادہ علم و جمیل بریلوی

حسن بریلوی کی تصانیف

حسن بریلوی صاحب تصنیف، جید عالم اور عاشق رسول نعت گو تھے۔ آپ کی تصانیف میں ”دیوان عاشق“ کے علاوہ باقی کل کتابوں پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف شائع ہو چکی ہیں:-

(۱) ترک مرتضوی در اثبات تفضیل شیخین

(۲) نگارستان لطافت در ذکر میلاد شریف

(۳) بے موقع فریاد کا جواب در مسئلہ قربانی

(۴) آئینہ قیامت در ذکر کربلائے معلی

(۵) دین حسن در حقانیت اسلام

(۶) وسائل بخشش در ذکر کرامات غوث اعظم

(۷) ذوق نعت بہ صلہ آخرت مجموعہ نعت (اردو)

(۸) شمر فصاحت کلام مجاز اردو مع قند پارسی

آپ کی ابتدائی چھ کتابیں آپ کی حیات میں چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔ ”دیوان نعت“ زیر طبع تھا کہ سفر حج سے واپس آ کر انتقال فرمایا ”دیوان عاشق“ آپ کے انتقال کے بعد ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا۔

نمونہء کلام

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ کہ سب جنتیں ہیں شار مدینہ
کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا
تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو اللہ کو معلوم ہے کیا جائے کیا ہو
آپ کہتے ہیں جاؤ دیکھ لیا دل ترا کہیے تو اپنے سوا دل میں میرے کیا دیکھا

مولانا محمد رضا خاں

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بیٹے مولانا محمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے تعلیم و تربیت اپنے برادر بزرگ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ مولانا محمد رضا خاں جید عالم تھے اور علم الفرائض میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ دارالافتاء بریلی میں جب کثرت سے فتوے آنے لگے تو علم الفرائض سے متعلق فتوؤں کا جواب مولانا محمد رضا خاں لکھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم الفرائض سے شغف خاص تھا

مولانا محمد رضا خاں کی شادی سکینہ بیگم دختر غلام علی خاں ساکن خوجہ قطب بریلی سے ہوئی۔ علم و فضل کے علاوہ حسن انتظام میں تکتائے زمانہ تھے۔ امام احمد رضا خاں کے آپ اس طرح قوت بازو بنے کہ اپنی جاگیر کے علاوہ امام احمد رضا کی جاگیر کا انتظام بھی آپ ہی کرتے تھے۔ آپ نے امام احمد رضا خاں کو خدمت دینی کیلئے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ آپ کاشت و زراعت کے علاوہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء فراہم کرتے تھے حتیٰ کہ امام احمد رضا کی دختران کی شادیوں کا اول تا آخر خود ہی انتظام کرتے تھے۔ ان تمام امور میں وہ خود مختار تھے اور امام احمد رضا ان پر کلی طور پر اعتماد رکھتے تھے۔ ترکہ و وراثت کے فتوے لکھنے کے علاوہ آپ امام احمد رضا کی تصنیفات ملاحظہ کرتے اور ان کی تصدیق و تائید کرتے۔ امام احمد رضا کی کثیر تصانیف پر آپ نے تائیدی و تصدیقی دستخط کیے ہیں۔ آپ کا وصال 15 اکتوبر 1939ء کو ہوا۔ اور اپنے آبائی قبرستان میں جانب شرق لب سترک دفن کئے گئے جس پر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں سے مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔ حیاتِ علمی حضرت میں مولانا محمد رضا خاں کو مولانا نقی علی خاں کے تلامذہ میں شامل کیا گیا ہے جبکہ مولانا محمد رضا خاں اپنے والد مولانا نقی علی خاں کے انتقال کے وقت صرف چار سال کے تھے۔^۱ (ممكن ہے کہ مولانا نقی علی خاں نے آپ کی بسم اللہ کرائی ہو اس اعتبار سے آپ کو مولانا نقی علی خاں کا شاگرد کہا جاسکتا ہے) حالانکہ آپ کو اپنے برادر بزرگ امام احمد رضا خاں سے ہی شرف تلمذ حاصل تھا

^۱ فیصلہ منصف شہر بریلی مقدمہ 48/1944 مولوی تقدس علی خاں بنام مصطفیٰ رضا خاں مفضلہ

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب و خاندان

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا نسلی علاقہ افغانیوں کا معروف قبیلہ بھڑیچ ہے۔ قبیلہ بھڑیچ افغانیوں کا معزز و موقر قبیلہ ہے جس میں جلیل القدر علماء صوفیاء مشائخ ہوئے۔ ان کے مزارات افغانستان و ہندوستان میں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ قبیلہ بھڑیچ کا مستند شجرہ اس قبیلہ کے معروف صاحب علم و فن والی، روہیلکھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے اپنی معروف تصنیف ”خلاصۃ النسب“ میں حضرت آدم علیہ السلام تک درج کیا جو مندرجہ ذیل ہے:-

ابو البشر صفی اللہ حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ ← حضرت شیث رحمۃ اللہ علیہ ← انوش ← قینان ← مہلا حیل ← بیارد ← حضرت ادریس رحمۃ اللہ علیہ ← ملک مثلاً شیخ ← لائک ← حضرت نوح رحمۃ اللہ علیہ ← سام ← ارفخند ← شالخ ← عابد ← حضرت ہود رحمۃ اللہ علیہ ← شروع یا اشرف ← ماخود یا ناخود ← تارخ ← خلیل اللہ سیدنا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ← حضرت سیدنا اٹحق رحمۃ اللہ علیہ ← حضرت سیدنا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ ← یودا ← روئیل ← طلص ← عتبہ ← قیس ← سارد المقلب بہ ملک طالوت ← افغہ یا یرامیہ ← سلیم یا سلم ← مندول ← ارزند ← تارج ← عامیل ← لوی ← طلل ← صہب ← ابی ← قمر ← ہارون ← اشمول ← علم یا علیم ← قبل ← متہال ← حدیفہ ← عمال ← کرم ← فیلول ← عثم ← شیر ← قج ← نصرت ← نخل ← شرود ← اشعث ← اکرم ← نعیم ← اشموئیل ← نصر ← قارون ← صلاح ← سلم ← بہلول ← عنین ← زمان ← ملک اسکندر ← ملک جلندر ← مرہ ← نعیم ← عتبہ ← سلول ← عیص ← حضرت قیس عبدالرشید ← ابراہیم عرف سرھین ← شرف الدین عرف شرجون ← بھڑیچ ← داؤد خاں ← دولت خاں ← یوسف خاں قندھاری ← عبدالرحمن ← شجاعت جنگ سعید اللہ خاں قندھاری ← محمد سعادت یا رخاں ← مولانا حافظ کاظم علی خاں ← مولانا شاہ محمد اعظم خاں ← امام العلماء مولانا رضا علی خاں ← رئیس الاتقیاء مولانا نقی علی خاں۔^۱

قبیلہ بھڑچ میں مندرجہ ذیل انبیائے کرام ہوئے:-

- (۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت شیث علیہ السلام (۳) حضرت ادریس علیہ السلام (۴) حضرت نوح علیہ السلام (۵) حضرت ہود علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۷) حضرت اسحاق علیہ السلام (۸) حضرت یعقوب علیہ السلام
- افغانیوں میں اسی وجہ سے قبیلہ بھڑچ کو موقر، معزز اور مقدس سمجھا جاتا ہے۔
- قبیلہ بھڑچ کے معروف بزرگوں کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:-

ملک طالوت

یعقوب علیہ السلام کی چھٹی پشت میں ملک طالوت پیدا ہوئے۔ آپ بھی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے۔ آپ نے بنی اسرائیل کو متحد کر کے کفار وقت سے جنگ کی۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ کفار وقت کو شکست دینے کے بعد امور سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے سپرد کئے اور اپنی بیٹی کا عقد بھی حضرت داؤد علیہ السلام سے کیا اور خود جذبہ شہادت سے سرشار کفار سے جنگ میں مصروف ہوئے اور منزل مقصود کو پہنچے۔ ملک طالوت کے بیٹے ارمیہ تھے جو نہایت اولوالعزم تھے۔ ارمیہ کے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام افغنہ رکھا گیا۔ افغنہ ملک طالوت کے پوتے تھے آپ کی اولاد افغان کہلائی۔

افغنہ

حضرت ملک طالوت کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند ارمیہ کی سرپرستی حضرت داؤد علیہ السلام نے کی اور فوج کا سپہ سالار بنایا۔ آپ انتہائی شجاع اور دلیر تھے آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے مخالفین کی سرکوبی کی۔ ارمیہ کے انتقال کے بعد افغنہ اپنے والد کے جانشین اور فوج کے سپہ سالار ہوئے۔ آپ کو شجاعت و جرات کا جو ہر ورثہ میں ملا تھا لہذا تمام جنگوں میں فتح آپ کی ہم سفر رہی۔ افغنہ سلیمان علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ان کے دور اقتدار میں اعلیٰ خدمات پر مامور تھے۔ افغنہ سے نسبی علاقہ رکھنے والے افغان کہلائے۔

افغنہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد نے بیت المقدس کے قریب ایک پہاڑ کو اپنا مسکن بنایا جو سلیمان علیہ السلام کی مناسبت سے کوہ سلیمانی کہلایا۔ ۱۲۳۹ قبل ہجری بخت نصر کے ظلم سے گھبرا کر کوہ سلیمانی کے ساکنان نے راہ ہجرت اختیار کی اور ملک خراسان میں بود و باش اختیار کی۔ گردش زمانہ سے متاثر ہو کر افغان قبیلہ ملک ”رود“ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ”رود“ ایک وسیع کوہستانی سلسلہ افغانستان میں ہے۔ شمال میں کوہ کا شغر جنوب میں بلوچستان، مشرق میں کشمیر کے پہاڑ اور مغرب میں دریائے اہمند جو قندھار کے قریب ہے، تک پھیلا ہوا ہے۔ علاقہ ”رود“ میں ہجرت کے اکتیسویں سال میں افغانی قبیلہ کے سربراہ قیس عبدالرشید مشرف بہ اسلام ہوئے۔

قیس عبدالرشید

قیس عبدالرشید کا نسبی علاقہ افغنہ سے ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب 43 واسطوں سے افغنہ اور 45 واسطوں سے حضرت ملک طالوت سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عیسیٰ تھا۔ آپ افغانیوں کے سردار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی دعوت پر آپ افغانیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیس عبرانی لفظ ہے اور میں عرب ہوں لہذا حضور رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام ”عبدالرشید“ رکھا۔ حضور نبی اکرم رضی اللہ عنہ نے قیس عبدالرشید سے فرمایا: تم ملک طالوت کی اولاد ہو جنکو اللہ تعالیٰ نے ”ملکی“ خطاب سے یاد فرمایا اس لئے تم کو بھی ملک کہا جائے۔ اس طرح آپ کو بارگاہ نبوت سے ”ملک“ کا خطاب عطا ہوا۔ انہی ایام میں حضور نبی اکرم رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کی رغبت فرمائی اور ملک عبدالرشید کو افغانیوں کی جماعت کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں اپنے لشکر کے ہراول میں مقرر کیا فتح مکہ کی جنگ میں افغانیوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ملک عبدالرشید نے اس جنگ میں ستر کفار کو واصل جہنم کیا۔ حضرت ملک عبدالرشید اور آپ کے ساتھیوں کی جرات و شجاعت سے حضور نبی اکرم رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور

دعائے خیر کے ساتھ فرمایا کہ عبدالرشید کی اولاد سے سلسلہ عظیم پیدا ہوگا جو قیامت تک دین کو مستحکم کرے گا اور اس قوم کا استحکام اس لکڑی کے مثل ہے جس پر جہاز کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس لکڑی کو بتان کہتے ہیں۔ ۱۔

پٹھان

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ملک عبدالرشید کی اولاد کیلئے فرمایا تھا کہ یہ دین کو مستحکم کرے گی اور اس قوم کا استحکام بتان کی مانند ہے۔ اس لئے قیس عبدالرشید ”بتان“ کے نام سے مشہور ہوئے۔ لفظ بتان آہستہ آہستہ زبان زد عام ہو کر ”پٹھان“ بولا جانے لگا اور حضرت ملک عبدالرشید سے نسبی علاقہ رکھنے والے پٹھان کہے جانے لگے۔ ۲۔

حضرت ملک عبدالرشید کا عقد حضرت خالد بن ولید کی دختر مطاہرہ کے ساتھ ہوا۔ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم سرزمین تھے۔ آپ کا وصال ستاسی برس کی عمر میں ہوا۔

حضرت ابراہیم سرزمین

حضرت ابراہیم سرزمین انتہائی متقی، پرہیزگار اور حلیم الطبع تھے۔ اسلئے آپ کی عرفیت سرزمین ہوئی کیونکہ پشتو زبان میں سرزمین کے معنی ”حلیم الطبع“ کے ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے حضرت شرجون المعروف بہ شرف الدین کے بیٹے بھڑیچ ہوئے۔ ۳۔

آپ ہی قبیلہ بھڑیچ کے مورث اعلیٰ ہوئے۔ قبیلہ بھڑیچ قندھار کے پشین اور شوراوک کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوا اور اپنی شجاعت و جوانمردی اور عزم و استقلال سے قندھار پر برسر اقتدار ہو گیا۔ قندھار اور افغانستان پر سینکڑوں سال تک قبیلہ بھڑیچ کی حکمرانی رہی۔

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں

آپ قبیلہ بھڑیچ کے معزز سردار تھے۔ آپ نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ نادر شاہ نے ہندوستان پر 1731ء میں حملہ کیا تھا۔ نادر شاہ ہندوستان کو تہس نہس کر کے واپس چلا گیا لیکن شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں نے ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ محمد شاہ نے آپ کو لاہور کا شیش محل بطور جاگیر عطا کیا جس میں آپ قیام فرما ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو منصب شش ہزاری بھی دیا اور شجاعت جنگ کے خطاب سے نوازا اور ریاست رامپور کے بہت سے مواضع معافی و دوامی عطا کیے۔ آپ کے فرزند سعادت یار خاں سعادت مند تھے جن کے سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت شجاعت جنگ سعید اللہ خاں نے دربار شاہی سے علیحدگی اختیار کر لی اور باقی عمر یادا لہی میں متوکا نذ زندگی بسر کی۔ ۱۔

آپ ہی مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کے جد امجد ہیں جو اس خاندان کو ہندوستان میں لانے اور آباد کرنے کے بانی ہیں۔

سعادت یار خاں

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں کے سعادت مند فرزند سعادت یار خاں محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو کر وزیر مال کے منصب پر فائز کئے گئے۔ آپ کو بادشاہ ہند محمد شاہ نے کچھ مواضع رامپور میں عطا کیے۔ 1857ء کی شکست کے بعد انگریزوں نے اس جاگیر کو ضبط کر لیا اور ریاست رامپور میں ضم کر دیا۔ ۲۔

علاقہ کلہیر جو بعد کو روہیلکھنڈ مشہور ہوا سلطنت دہلی کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑ گئی تو سلطنت دہلی نے روہیلکھنڈ کے باغیوں کے خلاف تادیبی کارروائی کیلئے فوج کشی کا ارادہ کیا اور اس مہم کو سر کرنے کیلئے قرعہ فال سعادت یار خاں کے نام نکلا۔ سعادت یار خاں نے جہلی شجاعت اور جنگی مہارت کے خوب جوہر دکھائے۔ انجام کار 2 جون 1745ء کو روہیلوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور نواب علی محمد خاں

بادشاہ کے دربار ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔ اس طرح فتح بریلی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ شاہ نے مسرور ہو کر آپ کو بریلی کا صوبہ دار بنانے کا فرمان جاری کر دیا لیکن فرمان شاہی ایسے وقت ملا کہ آپ بستر مرگ پر تھے اس لئے بریلی نہ صوبہ بن پایا اور نہ آپ صوبہ دار بن پائے۔ ۲

سعادت یار خاں نے اپنے دور وزارت میں دہلی میں دو نشانیاں چھوڑیں اول: بازار سعادت گنج دوم: سعادت نہر حوادث روزگار کے دست ستم سے ان دونوں میں سے کوئی نشانی نہ بچ سکی۔ مولانا علی خاں رحمہ اللہ کے پوتے مولانا حسنین رضا خاں کا قول ہے کہ

”سعادت یار خاں کی مہر وزارت ان کی جوانی کی عمر تک خاندان میں موجود تھی اور انہوں نے اس مہر کو دیکھا بھی تھا۔ ۳

مولانا حسنین رضا خاں 1892ء میں پیدا ہوئے اگر ان کی جوانی کی عمر چالیس سال مان لی جائے تو اس طرح 1932ء تک سعادت یار خاں کی مہر وزارت آپ کے خاندان میں موجود تھی۔ اس دور میں عبدالعزیز خاں عاصی ”تاریخ روئیکھنڈ“ مرتب کر رہے تھے انہوں نے حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں سے اس تاریخ کی ترتیب میں معاونت کی استدعا کی تھی۔ مفتی اعظم ہند نے اس خاندان میں محفوظ شاہی دور کے سکے اور مہریں ان کو دی تھیں۔ ان میں سے کچھ سکوں کے عکس کو مولانا عاصی نے ”تاریخ روئیکھنڈ“ میں حضور مفتی اعظم ہند کے حوالے سے شائع کیا۔ وہ سکے اور مہر عاصی بریلوی نے واپس نہیں کیے اور برہنہ وضع داری حضور مفتی اعظم ہند نے واپس بھی نہیں مانگے۔ آخر عمر میں عبدالعزیز خاں عاصی مفلوک الحال ہو گئے تھے اور بریلی کے محلہ کنگھر میں لب سڑک ایک جھونپڑی میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً یہ سکے اور مہریں عاصی بریلوی کی مفلوک حالی کی بحیثیت چڑھ کر کسی سونا رکی بھٹی کی ستم کاری کا شکار بن گئے۔

سعادت یار خاں کے تین فرزند شہزادہ محمد اعظم خاں، شہزادہ محمد معظم خاں اور شہزادہ محمد مکرم خاں تھے۔

حضرت مولانا محمد اعظم خاں

سلطان محمد شاہ کے وزیر دولت سعادت یار خاں کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد اعظم خاں تھے۔ آپ بھی دربار شاہی سے وابستہ تھے اور دربار شاہی سے منصب ملا تھا لیکن آپ کا میلان طبع دربار شاہی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لئے آپ نے جلد ہی درباری مراعات و مناصب سے کنارہ کشی اختیار کر لی چونکہ آپ کی طبیعت مائل بہ زہد تھی اس لئے آپ نے امور دنیا سے سبکدوش ہو کر زہد و ریاضت کی راہ لی۔ ساری عمر یاد الہی میں گزاری۔

اعظم خاں نے دو شادیاں کیں۔ زوجہ اولیٰ سے حافظ کاظم علی خاں اور زوجہ ثانیہ سے چار صاحبزادیاں تھیں جن میں ایک کا نام فہمیدہ بیگم تھا جن کا عقد ولی محمد خاں رفیع کے ہمراہ ہوا تھا۔ فہمیدہ بیگم کا انتقال 1838ء میں ہوا۔

محمد اعظم خاں نے اپنی رفیقہ حیات سلطان خانم کے نام سے دہلی میں ۲۹ جمادی الاول ۱۱۶۸ھ کو کٹہرا خریدا۔ یہ کٹہرا چھتہ جاں نثار خاں لاہوری دروازہ میں واقع تھا۔ اس کٹہرہ کے حدود درج ذیل ہیں:

شرق: شارع عام ولند الباب غرب: حویلی درٹا جوالا ناتھ تھپا کووالے

جنوب: حویلی شاہ غلام حسین وغیرہ شمال: حویلی مشترکہ مدعی دوار کا داس

اسی مقام پر اعظم خاں کی ایک حویلی بھی تھی جیسا کہ مذکورہ کٹہرے کے حد شمال سے واضح ہے غالباً اسی حویلی کا نصف حصہ اعظم خاں نے دربار شاہی سے قطع تعلق کرنے کے بعد دوار کا داس کے ہاتھ بیچ دیا اور نصف حصہ میں خود سکونت پذیر تھے۔ محمد اعظم خاں، صاحب جائیداد آدمی تھے انہوں نے اپنی بیوی کی جائیداد کی دیکھ بھال کیلئے مختار کارولی محمد خاں شوہر فہمیدہ بیگم دختر خود کو مقرر کیا تھا۔ مذکورہ کٹہرہ کی ملکیت کے تنازعہ سے متعلق ایک مقدمہ نمبر 55، 1845ء دہلی کی دیوانی کچہری میں 28 اپریل 1845ء کو صدر الصدور مولوی صدر الدین خاں کی عدالت میں شجاعت علی خاں نے اعظم خاں کے

پوتے رضا علی خاں کے خلاف دائر کیا تھا اس مقدمہ کے فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد اعظم خاں کا انتقال 1815ء کے آس پاس ہوا ہوگا۔ مفتی صدر الدین کی عدالت سے وراثت کی بنیاد پر مذکورہ کٹہرہ اعظم خاں کی ملکیت قرار دیا گیا جس کو انہوں نے مسماۃ امتیاز بیگم زوجہ عطا اللہ خاں کے حق میں بیع کر دیا تھا۔ اعظم خاں کے بعد ان کے بیٹے کاظم علی خاں نے 7 مارچ 1829ء کو سعد اللہ خاں جو اعظم خاں کے پر نواسہ تھے کو مختار عام مقرر کیا۔ ۱

اعظم خاں نے تارک الدینا ہونے کے بعد دہلی کی سکونت ترک کر دی اور بریلی کے محلہ معماران کو اپنا جائے مسکن بنایا جس جگہ آپ نے قیام کیا شہزادہ کے نکلیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی نکلیہ کے گوشہ میں مدفون ہوئے۔ ”تذکرہ جمیل“ کے مصنف اعظم خاں کے متعلق لکھتے ہیں:

”اعظم خاں نے منصب وزارت سے سبکدوش ہو کر زہد و ریاضت کی۔ وادی میں قدم رکھا اور ملک کو چھوڑ کر مالک الملک کو اپنانے کی ادبی اور سمدانی مثال ایک بار پھر پیش کی اور حکومت کی کرسی سے الگ ہو کر قبرستان کو اپنا مسکن بنایا۔“ ۲

مولانا حافظ کاظم علی خاں

سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا جس کی وجہ سے حافظ کاظم علی خاں سلطنت اودھ سے وابستہ ہو گئے۔ فرض منصبی کی ادائیگی کی اور عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کے صلہ میں آپ کو سلطنت اودھ سے ہدایوں کا نظم و نسق سپرد کیا گیا۔ دو سو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہتی تھی۔ آٹھ گاؤں آپ کو ملے تھے جس میں سے دو گاؤں آپ نے اپنے متعلقین کو عطا کر دیئے تھے۔ بقیہ چھ گاؤں آپ کی جاگیر میں رہے۔ آپ کی جاگیر مندرجہ ذیل گاؤں میں تھی:

۱۔ فیصلہ مقدمہ نمبر 55، 1845ء، بہ اجلاس مولوی صدر الدین خاں دیوانہ کچھری دہلی

۲۔ تذکرہ جمیل ابراہیم خوشتر سنی رضوی اکادمی مارپٹس ص ۹۴

(۱) اسپت (۲) نہوڑ (۳) نقی پور (۴) کر تولی (۵) مرزا پور (۶) نگا۔ ۱۔
یہ گاؤں معانی و دوامی تھے اور نسلاً در نسلاً آپ کے خاندان کے پاس رہے۔ قانون خاتمہ زمینداری 1952ء کے نفاذ کے بعد ضبط کیے گئے۔ ۲۔ سیر کاشت مذکورہ بالا اب بھی آپ کے ورثا کے پاس موجود ہے۔

مولانا کاظم علی خاں دیندار صحیح العقیدہ، اہل سنت و جماعت تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے پیر طریقت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی کے استاد حضرت مولانا شاہ انوار الحق فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ میں بیعت تھے اور آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ آپ بڑے عاشق رسول تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی نسل میں برقرار ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا کاظم علی خاں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو محفل میلاد مبارکہ بڑے التزام سے منعقد کرتے تھے الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔“ ۳

سلطنت مغلیہ کی پٹخ کنی کے بعد انگریزوں نے تمام اصول و ضابطے اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر اہل ہند پر ظلم و زیادتی کی تو دربار دہلی اور انگریزوں کے درمیان خلیج وسیع ہو گئی آپ بادشاہ دہلی کی وکالت کرنے و انسراے کے پاس نکلتے گئے۔ انجام کیا نکلا اس کا حال دریافت نہ ہو سکا۔ ۴

قیاس یہ کہتا ہے کہ انگریز نے دربار دہلی کے موقف کو تسلیم نہیں کیا شاید اسی لئے (یعنی انگریزوں کی اہل ہند پر ظلم و زیادتی کی وجہ سے) آپ اور آپ کے صاحبزادے امام العلماء مولانا رضا علی خاں انگریزوں کے خلاف تھے اور پہلی جنگ آزادی میں انگریزوں کی زبردست مخالفت کی تھی۔

مولانا کاظم علی خاں کی زوجہ اولیٰ سے دو فرزند مولانا رضا علی خاں اور حکیم تقی علی خاں تھے اور ایک دختر زینت بیگم عرف موتی بیگم تھیں۔ زوجہ ثانیہ سے تین دختران بدر النساء، صدر النساء اور قمر النساء

۱۔ مقدمہ تفریق کلکڑی ضلع بدایوں بہ اجلاس سر جارج لارنس منفصلہ 20 جولائی 1862ء

۲۔ سیرت اعلیٰ حضرت ص 41 ۳۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص 302 ۴۔ حیات مفتی اعظم ہند ص 23

تھیں۔ زوجہ ثالثہ کا نام سلونی بیگم تھا جن کے بطن سے جعفر علی خاں پیدا ہوئے جو لا ولد فوت ہوئے۔ حافظ کاظم علی خاں کی نسل آپ کے دونوں فرزندوں سے چلی۔ زینت بیگم عرف موتی بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ یہ قول کہ ان کی شادی خان محمد حیات خاں سے ہوئی تھی اور یہ یوسف زئی تھے۔ بے بنیاد اور غلط ہے۔ زینت بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ 19 مئی 1832ء کو ورثا کے درمیان تقسیم جائیداد عمل میں آئی۔ ۱۔ تقسیم نامہ میں زینت بیگم عرف موتی بیگم کے شوہر کا نام بندے علی خاں درج ہے۔ اس تقسیم نامہ پر بندے علی خاں کی مہر ہے اور موتی بیگم کے کارمختار کی حیثیت سے کو چک علی خاں کے دستخط ہیں۔ کچھ اور لوگوں کے علاوہ اردو کے معروف نعت گو لطف علی خاں لطف بریلی کے بھی دستخط ہیں۔ ایک اور دستاویز 17 مارچ 1839ء کا بیعت نامہ ہے یہ بیعت نامہ موتی بیگم نے اپنے بیٹے کو چک علی خاں ولد بندے علی خاں کی بیوی بیگم جان کے حق میں موضع اسمیت و موضع کرتولی کی جائیداد بیع کی ہے۔ اس بیعت نامہ کی سطور اول اس طرح ہے:

”من کہ سماء موتی بیگم بنت محمد کاظم علی خاں زوجہ بندے علی خاں مرحوم ساکن شہر بریلی۔“ ۲۔

یہ بیعت نامہ فارسی میں ہے۔ اس بیعت نامہ میں اور کچھ لوگوں کے علاوہ مولانا رضا علی خاں کے بھی دستخط ہیں۔ مولانا رضا علی خاں موتی بیگم کے حقیقی بھائی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موتی بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ موتی بیگم کے دو فرزند نعت علی خاں عرف بزرگ علی خاں و کو چک علی خاں تھے۔ نعت علی خاں کے بیٹے حاجی وارث علی خاں تھے جن سے مولانا علی علی خاں کی بڑی بیٹی بیگم کا عقد ہوا تھا۔ ان کی نسل سرسبز و شاداب ہے۔

امام العلماء مولانا رضا علی خاں

حافظ کاظم علی خاں کے فرزند اکبر امام العلماء مولانا رضا علی خاں تھے۔ آپ کی ولادت بریلی میں ۱۲۲۲ھ میں ہوئی اور عمر باسٹھ سال ۶ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کو وصال ہوا۔ ۳۔ نزدیکی اشیش بریلی

واقع قبرستان بہاری پور رسول لائن آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل ۱۲۴۷ھ میں حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب رامپوری ابن ملا عرفان ولایتی رامپوری سے رامپور اور ٹونک میں حاصل کی۔ تذکرہ علمائے اہل سنت میں آپ کی سن ولادت ۱۲۲۳ھ لکھی ہے۔ ۱۔ جو غلط ہے فقہہ میں آپ کو دسترس خاص حاصل تھا۔ روہیلہ دور کے شاہی خاندان کے آخری چشم و چراغ مفتی محمد عیوض صاحب کی 1816ء میں انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد مسند افتا خالی تھی۔ 1816ء میں مفتی محمد عیوض بریلی سے ٹونک تشریف لے گئے اور 1818ء میں وہیں فوت ہوئے۔ ۲۔ ایسے نازک دور میں امام العلماء مولانا رضا علی خاں نے مسند افتا کو رونق بخشی۔ آپ اپنے دور میں مرجع فتویٰ تھے۔ آپ کی تقریر انتہائی موثر ہوتی تھی۔ محفل خوف خدا اور خشیت الہی سے آہ و بکا کراٹھتی تھی چونکہ خود بڑے تقویٰ شعار تھے اسی لئے آپ کی نصیحت کا بہت اثر ہوتا تھا۔ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے۔ دنیا کی طرف سے استغنا آپ کا شیوہ تھا۔ زہد و قناعت اور تجربہ جیسے اوصاف حمیدہ میں بھی آپ ممتاز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عشق نبوی کی دولت سے نوازا تھا اس لئے آپ ناموس رسالت کے دشمنوں سے متنفر رہتے تھے۔

امام العلماء کو اجازت و خلافت اور سند حدیث مولانا خلیل الرحمن اور ان کو فاضل محمد سند یلوی سے اور ان کو ملک العلماء بحر العلوم ابوالعاش محمد عبدالعلی لکھنوی سے تھی۔ ۳۔

امام العلماء مطہر سنت تھے اور کسی بھی بدعت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ عہد آصف الدولہ میں بریلی کی جامع مسجد میں شرق کی جانب ایک سہہ دری تھی جس کو ضعیف الاعتقاد افراد نے امام باڑہ کے نام سے منسوب کر کے تعزیہ اور علم رکھ دیئے۔ آصف الدولہ کے عہد کے خاتمہ کے بعد حکیم مرزا حسین جان بیگ نے جامع مسجد کا متولی ہونے کے بعد سہہ داری کو مقفل کر دیا تاکہ تعزیہ اور علم حدود جامع مسجد میں نہ رکھے جاسکیں۔ حکیم صاحب کے وصال کے بعد راقم کے پرانا مرزا مولوی مطہر بیگ جامع مسجد کے متولی ہوئے تو انہوں نے امام العلماء کی ہدایت کے مطابق سہہ دری سے تعزیہ اور علم علیحدہ کرا

اس وقت اور اس سہ درجہ کا نام نبی خانہ رکھ دیا۔ جہلائے شہر نے متولی مذکور کو بزم خود بدعتیہ کہنا شروع کر دیا۔ شور و غوغا اتنا بڑھا کہ تعزیے اور علم دونوں دوبارہ نبی خانہ میں رکھنے کی کوشش کی جانے لگی۔ چنانچہ امام العلماء کی ذات مقدسہ تنازعہ نہ تھی اور عوام کیلئے معتبر و موقر تھی۔ آپ نے فتویٰ جاری کر کے متولی کے اقدام کو درست اور متولی کو صحیح العقیدہ سنی قرار دیا۔ بریلی کے دیگر علماء نے بھی تصدیقات کیں۔ امام العلماء بہ نفس نفیس ہر جمعرات کی شب کو جامع مسجد میں تشریف لا کر سہ درجہ درجہ موسومہ بہ نبی خانہ میں محفل میلاد منعقد کرتے جس سے شہر کے جہلا کاواویلا اور شور و غوغا ختم ہوا۔ ۲

خطبات امام العلماء (خطبات علمی)

امام العلماء نے جمعہ اور عیدین کیلئے عربی زبان میں خطبات تصنیف کیے جن کو آپ کے شاگرد و مرید محمد حسن علمی نے ترتیب دے کر ”خطبات علمی“ کے نام سے شائع کیا۔ یہ خطبات برصغیر پاک و ہندو بنگلہ دیش میں آج بھی جمعہ اور عیدین کو پڑھے جاتے ہیں۔ خطبات میں اردو کے منظوم خطبات مولانا محمد حسن علمی کے ہیں اس لئے ”خطبات علمی“ پر مولانا محمد حسن علمی کا نام بطور مولف لکھا ہے۔ خطبات علمی کے اختتام پر مولانا علمی اپنے استاد و پیر طریقت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس مولف عاصی محمد حسن علمی کو امیدواری جناب ہادی عزیز اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضل عظیم اور طفیل رسول کریم مقلب بہ رنگ عالی خلق عظیم کے ہم سب مومنین کو بعفو جرائم و عصیاں اور فیضان توفیق و احسان کے عزت بخشے اور ہمارے مرشد و مولانا عالم علم زمانی مقبول بارگاہ سبحانی، اسرار معقول و منقول، کاشف استار عفروع و اصول، مطلع العلوم، مجمع الفہوم، عالم باعمل، فاضل بے بدل، منبع الاخلاق مصدر احسان و مظہر اتقان، مولانا و مخدومہ لودعی زماں

مولوی رضاعلی خاں کو بیچ دونوں جہاں کے رحمت خاصہ میں اپنے رکھ کر انہی مراتب قبولیت کو پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ۱

شاگرد

امام العلماء مولانا رضاعلی خاں کے شاگردوں کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں ہے کیونکہ آپ کے شاگردوں کی کبھی کوئی فہرست تیار نہیں کی گئی مگر مطبوعہ و غیر مطبوعہ متعدد پرانی کتابوں میں مصنفین نے آپ کا اپنا استاد بتایا ہے۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد حسن علمی مولف خطبات علمی تھے۔ دوسرے شاگرد ملک محمد علی خاں ابن حاجی ملک محمد خاں ابن ملک سعید خاں مرتب ”تصحیح الایمان رد تقویت الایمان“ بہت مشہور ہیں۔ ”تصحیح الایمان رد تقویت الایمان“ کا مطبوعہ نسخہ نایاب ہے مگر رضا لاہوری راپور میں قلمی نسخہ ۳۶/۷۵۷۹ م محفوظ ہے۔ آپ کے تیسرے شاگرد و مرید مولانا فخر الدین قادری سنڈیلوی تھے۔ مولانا قادری انگریزوں کے خلاف شریک جہاد ہوئے اور بریلی میں ہی شہید ہوئے۔ ۲

مجاہد جنگ آزادی

امام العلماء مولانا رضاعلی خاں جید عالم باعمل اور معروف مفتی وقت ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر مجاہد آزادی بھی تھے۔ آپ تمام عمر انگریز سامراجیت کے خلاف برسر پیکار رہے۔ آپ جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ آپ کے مجاہدانہ مزاج اور کارناموں نے انگریز سامراجیت کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ”ترجمان اہلسنت“ لکھتا ہے:

”جنگ آزادی کا مورخ رقم طراز ہے کہ آپ (مولانا رضاعلی) جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ عمر بھر فرنگی اقتدار کے خلاف برسر پیکار رہے۔ آپ ایک بہترین جنگجو اور بیباک سپاہی تھے۔

لارڈ مسٹنگ آپ کے نام سے کانپتا تھا۔ جنرل ہڈن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپیہ مقرر کیا تھا۔ مگر اپنے مقصد میں عمر بھر ناکام رہا۔ جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نصب زنی کر کے پچیس گھوڑے چوری کر لیے کیونکہ آپ نے اپنے تمام گھوڑے مجاہدین آزادی کو انگریزوں کی پناہ گاہ پر شب خون مارنے کیلئے مفت دیئے تھے۔“ ۱

امام العلماء نے آزادی میں عملاً خود بھی حصہ لیا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ بھی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کے جذبہ حریت کو بیدار کیا۔ انگریزوں کی بیخ کنی کرنے کیلئے جہاد کیمپنی بنائی گئی اس میں امام العلماء رضاعلی خاں سرفہرست تھے۔ علما کے فتوے و جہاد کا عوام نے زبردست اثر لیا اور مسلمان جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں کود پڑے۔

امام العلماء کی جائیداد ضبط

امام العلماء کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے تنگ آکر انگریز نے آپ کا سر قلم کرنے پر انعام رکھ دیا تھا مگر باوجود کوشش کے جنرل ہڈن نہ تو آپ کو قتل کرا سکا اور نہ ہی گرفتار کرا سکا۔ جب بھی انگریز سپاہی آپ کو تلاش کرتے، آپ مسجد میں مشغول عبادت ہوتے، مگر اللہ تعالیٰ انگریز سپاہیوں کو اندھا کر دیتا۔ امام العلماء کبھی انگریزوں کو نظر نہ آتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی آپ حفاظت فرمائی۔ آپ کی آبائی جائیداد موضع تحصیل ملک ضلع رامپور کے نزدیک تھی۔ اس میں موضع دھیلی بہت بڑا موضع تھا۔ انگریزوں نے جہاد کرنے کے جرم میں امام العلماء کی جائیداد ضبط کر لی۔ ۵۸-۱۸۵۷ء میں نواب رامپور نے انگریزوں کی مدد کی تھی اس لئے بطور انعام امام العلماء کی مذکورہ جاگیر ریاست رامپور میں ضم کر دی گئی

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ کے تلامذہ

مولانا نقی علی خاں کے مندرجہ ذیل تلامذہ معروف زمانہ ہوئے:

- (۱): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲): مولانا حسن رضا خاں (۳): مولوی برکات احمد
- (۴): مولوی ہدایت رسول لکھنوی (۵): مفتی حافظ بخش آنولوی (۶): مولوی حشمت اللہ خاں
- (۷): مولوی سید امیر احمد بریلوی (۸): مولوی حکیم عبدالصمد

بیعت و خلافت

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ ۵ جمادی الآخر ۱۲۹۳ھ کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ آل رسول قادری برکاتی مارہروی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ امام احمد رضا خاں بھی سیدنا شاہ آل رسول کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اسی مجلس میں میں شاہ صاحب نے دونوں افراد کو خلافت و جملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اس مجلس بیعت و خلافت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پنجم جمادی الآخر ۱۲۹۳ھ کو مارہرہ مطہرہ میں دست حق پرست آقائے نعمت، دریائے رحمت سید الواصلین سند اکالمین قطب قطب ادانہ، امام زمانہ حضور پر نور سیدنا مرشدنا مولانا داناؤ ذخرقی و عذی سیدنا شاہ آل رسول احمدی تاجدار مارہرہ رضی (لہ عنہ) (رضاء) (خاصہ) (علینا من) برکاتہ و نعتہ پر شرف بیعت حاصل فرمایا حضور پر نور مرشد برحق نے مثال خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سہند حدیث عطا فرمائی۔ یہ غلام ناکارہ (امام احمد رضا)

بھی اسی جلسہ میں اس جناب کے طفیل ان برکات سے شرف یاب
ہوا واللہ تعالیٰ رب العالمین۔“ ۱۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد گرامی حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ
علیہ سے مندرجہ ذیل سلوک کی اجازت حاصل تھی۔

- (۱): طریقہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ
- (۲): طریقہ قادریہ قدیمہ
- (۳): طریقہ عالیہ قادریہ اہادیہ
- (۴): طریقہ قادریہ منوریہ
- (۵): طریقہ چشتیہ جدیدہ
- (۶): طریقہ چشتیہ قدیمہ
- (۷): طریقہ سہروردیہ جدیدہ
- (۸): طریقہ سہروردیہ قدیمہ
- (۹): طریقہ نقشبندیہ علویہ
- (۱۰): طریقہ سلسلہ بدیعہ
- (۱۱): طریقہ سلسلہ علویہ
- (۱۲): طریقہ سلسلہ منامیہ
- (۱۳): طریقہ سلسلہ منوریہ

مولانا نقی علی خاں کو ان کے پیر مرشد نے مندرجہ ذیل چار مصنفوں کے شرف سے بھی نوازا:

- (۱): مصنفہ خضریہ
- (۲): مصنفہ جلیہ
- (۳): مصنفہ معمریہ
- (۴): مصنفہ منامیہ ۲

سلسلہ عالیہ قادریہ میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے:

مولانا نقی علی خاں نے شرف بیعت حاصل کیا اپنے پیر مرشد سیدنا شاہ آل رسول مارہروی سے۔ انہوں
نے سیدنا آل احمد عرف اچھے میاں سے۔ انہوں نے اپنے والد سیدنا شاہ حمزہ سے۔ انہوں نے اپنے والد
سیدنا شاہ آل محمد سے۔ انہوں نے اپنے والد سیدنا شاہ برکت اللہ سے۔ انہوں نے سید جلیل الشان فضل
اللہ سے۔ انہوں نے اپنے والد سید احمد سے۔ انہوں نے اپنے والد سید محمد شاہ سے۔ انہوں نے
جمال الاولیا جمال الدین سے۔ انہوں نے قاضی فیاض الدین سے۔ انہوں نے محمد نظام الدین بہکاری

سے۔ انہوں نے سیدنا شاہ ابراہیم ارجی سے۔ انہوں نے حضرت بہا الدین سے۔ انہوں نے سید
احمد جیلانی سے۔ انہوں نے سیدنا شاہ حسن سے۔ انہوں نے سیدنا شاہ موسیٰ رضا سے۔ انہوں نے
سیدنا شاہ علی سے۔ انہوں نے ابوالفضل سید محمدی الدین سے۔ انہوں نے سید قاضی ابوصالح سے
۔ انہوں نے اپنے والد سید ابوبکر عبدالرزاق سے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد غوث اعظم امام سیدنا
محمد محمدی الدین عبدالقادر جیلانی سے۔ انہوں نے امام ابوسعید مخزومی سے۔ انہوں نے شیخ الاسلام
ابوالحسن علی قرشی سے۔ انہوں نے امام ابوفرح طرطوسی سے۔ انہوں نے ابوالفضل عبدالواحد سے
۔ انہوں نے امام ابوبکر سے۔ انہوں نے سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے۔ انہوں نے
اپنے ماموں امام سری سقطی سے۔ انہوں نے امام معروف کرخی سے۔ انہوں نے سیدنا جل امام علی
رضا سے جو فرزند ہیں امام موسیٰ کاظم کے۔ انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے۔ انہوں نے
امام علی رضا کے دادا جعفر صادق سے۔ انہوں نے امام علی رضا کے والد کے دادا امام باقر سے
۔ انہوں نے سیدنا امام علی رضا کے دادا کے باپ سیدنا امام حسن سے۔ انہوں نے اپنے والد
مولانا علی شیر خدا سے۔ انہوں نے نبیوں کے خاتم رسول کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
سے ۱۔

اجازت سند حدیث

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو سند حدیث مندرجہ ذیل چار سلسلوں سے حاصل تھی:

- (۱) سیدنا شاہ آل رسول مارہروی سے اور وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے بیان کرتے ہیں جن
میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی ہیں اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کثیر العلم اور قوی
الفہم محدث ہیں۔ اس سند حدیث کا سلسلہ مندرجہ ذیل ہے:
- مولانا نقی علی خاں۔ مولانا سیدنا شاہ آل رسول مارہروی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ← سید عمر ← شیخ عبداللہ بن سالم البصری ← شیخ یحییٰ بن محمد شادی ← شیخ سعید بن ابراہیم الجزازی ← شیخ محقق سعید بن محمد المقری ← شیخ محمد نجی الوہرانی ← شیخ سید ابراہیم التازی ← شیخ ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن حسین المراقی ← زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العرانی ← ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم المیدوی ← ابوالفرح عبداللطیف بن عبدالمعتم ← حافظ ابوالفرح عبدالرحمن بن علی الجوزی ← ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک ← ابوطاہر محمد بن محمد نمش الزیادی ← ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البرار ← عبدالرحمن بن بشر بن احکم ← سفیان بن عیینہ ← سفیان بن عمر ← ابوقاموس عبداللہ بن عمرو بن العاص ← عبداللہ بن عبداللہ بن حمزہ ۱۔

(۲): اپنے والد امام العلما مولانا محمد رضا علی خاں سے وہ مولانا خلیل الرحمن محمود آبادی سے وہ فاضل محمد سندیلوی سے اور وہ ابوالعیاش محمد عبدالعلی سے ۲۔

(۳): سید احمد بن ذہبی دحلان کی سے اور وہ شیخ عثمان دمیاتی سے ۳۔

(۴): مولانا نقی علی خاں بریلوی کو شیخ محقق مولانا عبدالحق محقق دہلوی کی طرف سے بھی حدیث مسلسل بالادیت کی کی سند حاصل تھی جس کی ترتیب درج ذیل ہے:

سیدنا شاہ آل رسول مارہروی ← سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں ← عارف باللہ سیدنا شاہ حمزہ حسینی واسطی ← سیدنا شاہ فضیل محمد اترولی ← سیدنا شاہ مبارک فخر الدین بگرامی ← شیخ استاد ابولرضا بن شیخ اسماعیل ← افضل المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی ← شیخ صالح صاحب توفیق عبدالوہاب ← شیخ کبیر محمد بن افلاح یمنی ← شیخ وجیہ الدین عبدالرحمن بن ابراہیم علوی ← شیخ شمس الدین سخاوی ← ابوالفضل احمد بن معروف بہ ابن حجر ← ابوالفضل عبدالرحمن بن حسین عراقی ← شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد تدمری ← ابونفث محمد بن محمد بن ابراہیم میدوی ← النجیب عبداللطیف بن عبدالمعتم حرانی ← شیخ عبدالرحمن بن علی جوزی ← ابوسعید اسماعیل بن علی صالح احمد بن عبدالملک نیشاپوری ← ابوصالح احمد بن عبدالملک ← ابوطاہر محمد بن محمد نمش ← ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال ← حضرت شیخ بن عبدالرحمن

۱۔ بیاض قلمی امام احمد رضا مخزومہ سید شاہ یحییٰ حسن مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

۲۔ بیاض الاجازات المتنبہ از: امام احمد رضا ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 123 تا 127

بن بشر بن احکم ← حضرت ثقیان بن عیینہ ← حضرت شیخ بن عمر بن دینار ← حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص ← ابوالقاموس شیخ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمرو ← حضور نبی اکرم ﷺ ۱۔

فقہہ حنفی

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کو سیدنا شاہ آل رسول کے علاوہ حضرت شیخ عبدالرحمن حنفی کی سے بھی سند فقہہ حاصل تھی۔ حضرت کی کا سلسلہ سات واسطوں سے حضرت شیخ احمد بن یونس شلی تک پہنچتا ہے اور حضرت شیخ شلی کا سلسلہ سولہ واسطوں سے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ تک پہنچتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ کا سلسلہ تین واسطوں سے سیدنا عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا سلسلہ براہ راست حضور نبی اکرم ﷺ تک چھبیس واسطوں سے ہوتا ہوا ختمی ہوتا ہے۔ ۲۔

حج و زیارت

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو حج و زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ وہ دور تھا کہ مولانا شدت سے علیل تھے اور ضعف انتہا کو تھا۔ اس سلسلہ میں امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

”عزم زیارت و حج مصمم فرمایا یہ غلام (امام احمد رضا) اور چند اصحاب و خدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کیا کہ علالت کی یہ حالت ہے آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے۔ ارشاد فرمایا۔ مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازے سے باہر رکھ لوں پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی بلکہ مرض ہی خود نبی اکرم ﷺ کے ایک

۱۔ الاجازات المتنبہ از: امام احمد رضا ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 195 تا 197

۲۔ فتاویٰ رضویہ (جلد اول) از: امام احمد رضا ناشر: رضا اکیڈمی، بمبئی ص 5

آنخوہ میں دو اعطاف مانے سے کہ من رانی فقد رای

الحق (رواہ احمد الشیخان عن ابی قتادہ) حدیث پر نہ رہا۔

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ حج و زیارت کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً تین ماہ مقیم رہے۔ حج میں آپ کے معلم احمد سیونی بن محمد سیونی مکی تھے۔ ۲

اورادو و وظائف

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کو ان کے پیرومہر شہیدنا آل رسول مارہروی نے مندرجہ ذیل اوراد و وظائف کی اجازت عطا فرمائی:

قرآن عظیم کے خواص	اسما الہیہ	دلائل الخیرات
حصن حصین	قصر متین	اسما العینہ
حزب البحر	حزب البر	حزب النصر
سلسلہ شاذلیہ کے تمام احزاب	ایک لاکھ چارویوں کا حرز	حرز الامیرین
حرز ایمانی	دعا حیدری	دعا عزرائیل
دعا مغنی	قصیدہ غوثیہ	صلوۃ غوثیہ (صلوۃ الاسرار)
دعا سریانی	نیم تکبیر	تکبیر عاشقان
قصیدہ بردہ	ارسال البوائف	(الاجازات المثنیہ ص 167)

مندرجہ بالا اوراد و وظائف، اذکار، اشغال، اوقات اور اعمال کی اجازت اس شرط کے ساتھ عطا کی گئی کہ قطع رحمی اور ناجائز کام کیلئے نہ پڑھے جائیں اور ان سے کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچایا جائے اگرچہ اس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہو۔

۱۔ جواهر البیان فی اسرار الارکان۔ مولانا نقی علی خاں (حالات مصنف از امام احمد رضا) ص 10

۲۔ بیان احمد سیونی بن محمد سیونی مقدمہ نمبر 47/1883 بہ اجلاس مولوی عبدالقیوم خاں سب حج بریلی

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کے احباب

مولانا نقی علی خاں بریلوی نے اپنے زبان و قلم سے اپنے خاص احباب کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ آپ کی حیات کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی اپنا تھا نہ پرانا۔ نہ یگانہ تھا اور نہ یگانہ۔ آپ کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد الحب فی اللہ و البغض فی اللہ پر تھی۔ تاہم آپ کی چند تصنیفات اور اصحاب قلم کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل چند حضرات آپ کے مقربین خاص تھے:

مولانا حکیم غلام قادر بیگ:

حضرت مولانا حکیم غلام قادر بیگ ابن مرزا حسن جان بیگ یکم محرم الحرام 1233ھ مطابق 25 جولائی 1827ء کو محلہ جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد نے لکھنؤ سے ترک سکونت کر کے بریلی میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی رہائش جامع مسجد بریلی کے جانب شرق محلہ قلعہ میں تھی۔ آپ نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہیں بلکہ شاہان مغلیہ نے آپ کے اجداد کو مرزا اور بیگ کے خطبات سے نوازا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ حضرت احرار نسلاً فاروقی تھے اس طرح آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رحمہ اللہ سے ملتا ہے۔ سلطان ظہیر الدین بابر اور ان کے والد دونوں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے بیعت تھے اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کے اجداد کرام بھی شاہان مغلیہ سے وابستہ رہے۔ اسی زمانے میں دونوں خاندانوں کے قریبی روابط رہے۔ اسی بناء پر مولوی مرزا غلام قادر بیگ اور مولانا نقی علی خاں کے درمیان انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ اسی لئے مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر امام احمد رضا کی تعلیم آپ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ دیگر طلباء آپ کے مطب واقع محلہ قلعہ نزد جامع مسجد بریلی میں درس لیا کرتے

تھے مگر مولانا نقی علی خاں سے قریبی تعلقات و دوستی اور خاندانی وجہ سے امام احمد رضا کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے۔ امام احمد رضا نے ابتدائی کتب میزان منشعب وغیرہ مولانا غلام قادر بیگ سے پڑھیں۔

مرزا غلام قادر بیگ اپنے وقت کے مشہور عالم، عابد اور متقی تھے۔ آپ انتہائی منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود نے اپنی تصنیف ”حیات مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی“ میں آپ کا سن وصال 1883ء لکھا ہے۔ ۱۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مرزا غلام قادر بیگ کے حقیقی بھتیجے اور راقم السطور کے حقیقی نانا حضرت مرزا مولوی محمد جان بیگ رضوی علیہ الرحمہ کی بیاض کے مطابق مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ کا وصال یکم محرم الحرام ۱۲۳۶ھ مطابق 1917ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا اور محلہ باقر گنج واقع حسین باغ بریلی میں دفن ہوئے آپ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ بھی وہیں مدفون ہیں۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش

نواب نیاز احمد خاں ہوش عرف بے مپاں بریلی کے مشہور شاعر اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ ہوش بریلوی نواب حافظ محمد یار خاں کی اولاد میں تھے۔ نواب حافظ محمد یار خاں، حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کے پانچویں بیٹے تھے۔ ہوش فن شعر میں استاد تھے۔ بڑی تعداد میں آپ کے تلامذہ تھے۔ بریلی اور اطراف و جوانب میں آپ کی بڑی شہرت تھی۔ خلیفہ امیر الدین آزاد مرحوم بریلوی سے فارسی کی تحصیل کی۔ کتب معقول و منقول مختلف علما سے پڑھیں۔ فن طب میں حکیم محمد ابراہیم لکھنوی کے شاگرد تھے اور شاعری میں اسیر لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ نعت، قصیدہ رباعی سب کچھ لکھتے تھے۔ 1857ء کے غدر نے بے چین کر دیا۔ مختلف شہروں کی سیاحی کی۔ طویل عرصہ تک لکھنؤ میں قیام پذیر رہ کر وہاں کے جلسوں اور محفلوں کو رونق بخشی۔ تاریخ و ہیکل کھنڈ، کلپات ہوش، مثنوی ترانہ ہوش اور حدیقہ نعت (مولود نامہ) ان کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔ شہادت نامہ بے نظیر، فسانہ، غرائب اور واسوخت ہوش

آپ کی غیر مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش مولانا نقی علی خاں کے ہم عصر اور مقربین میں سے تھے۔ ہوش بریلوی مولانا نقی علی خاں کی علمی بصیرت، مومنانہ فراست اور مجاہدانہ عزیمت کے بہت زیادہ قائل تھے اور اس کا اعتراف مولانا نقی علی خاں کی تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ کی تقریظ میں انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا نقی علی خاں بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہوش بریلوی کی علم دوستی اور علما نوازی پر بہت خوش ہوتے تھے۔

ہوش بریلوی کا انتقال بریلی میں 30 جون 1892ء مطابق ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ کو ہوا۔ مقبرہ حافظ الملک سے ملحق چار دیواری میں دفن ہوئے۔

مولوی ہدایت علی بریلوی

سید ہدایت علی بریلوی خلف سید بہادر علی بریلوی بریلی میں تولد ہوئے۔ درسیات میں مفتی محمد عبود (م 1816ء) کے شاگرد تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی سے بھی تحصیل علم کیا۔ شاعری میں خلیفہ امیر الدین آزاد کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کلام کہا ہے۔ نعتیہ دیوان اردو ”ہدایت فیاض“ 1894ء میں مطبع قادری بریلی میں چھپا تھا مگر اب نایاب ہے۔ مولانا ہدایت علی کی نعتیں برصغیر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔ آپ مولانا نقی علی خاں سے بہت عقیدت و محبت رکھتے تھے اور ان کے علم سے فضل سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ آپ نے مولانا نقی علی خاں کی مشہور و معروف تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ پر شاندار تقریظ لکھی ہے۔ اس میں آپ نے مولانا بریلوی کے لئے جو القاب و آداب قلمبند کئے ہیں ان سے مولانا کے روحانی و علمی منصب کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ان سے قلبی لگاؤ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مولانا نقی علی خاں بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی علمی بصیرت کی قدر کرتے تھے۔ اثر بن عباس کے تنازعہ میں مولانا ہدایت علی

بریلوی، مولانا نقی علی خاں کے حمایتی تھے اور آپ نے مولانا نقی علی خاں کے نظریہ کی حمایت اور محمد احسن نانوتوی کی رد میں ایک رسالہ "الکلام الحسن" تحریر کیا۔ ۱۔

مولانا یعقوب علی

مولانا یعقوب علی خاں شہر کہنہ بریلی کے رئیس تھے۔ آپ مدرسہ اکبری بریلی کے صدر مدرس اور بھوپال میں قاضی شرع رہے۔ ۲۔ آپ اپنے وقت کے زبردست عالم و فاضل اور فقیہ تھے۔ حنفی المذہب تھے اور فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ شاہ اسحاق دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم و فضل میں باکمال آپ ڈپٹی مدارس اور آئری میجر میں بھی رہے۔ آخر عمر میں پٹنن یاب تھے۔ مولانا نقی علی خاں کی بحر علمی سے حدودہ متاخر تھے۔ دینی معاملات میں مولانا نقی علی خاں کی رائے کو ترجیح و اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا نقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے مابین اثر ابن عباس کی بحث میں مولانا یعقوب علی خاں، مولانا نقی علی خاں کے زبردست حمایتی و معاون تھے اور مولانا نقی علی خاں کے نظریہ کو درست مانتے تھے۔ مولانا نقی علی خاں بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے

نواب عبدالعزیز خاں

نواب عبدالعزیز خاں بن سعادت یار خاں بن نواب محمد یار خاں بن حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں باعتبار علم و فضل علامہ وقت اور بلحاظ وجود و سخاے مثل تھے۔ ابتدائی عمر سے ہی نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی اللہ یار خاں سے حاصل کی۔ معقول و منقول علامہ مفتی عنایت احمد اور مولوی یعقوب علی خاں سے پڑھیں۔ فارسی و عربی پر دسترس حاصل کرنے کے بعد سنسکرت کا شوق ہوا تو قلیل مدت میں اس پر عبور حاصل کر لیا اور بڑے بڑے پنڈتوں پر سبقت لے گئے۔

حافظ زبردست تھا، قرآن حفظ کر کے رمضان شریف میں سنانے کا شوق ہوا۔ یکم رمضان سے ایک پارہ یاد کر کے مسجد نواب ایوب خاں بریلی میں تراویح میں سنا دیتے۔ اس طرح ۲۸ رمضان کو

قرآن شریف ختم کر دیا۔ اس روز بڑے اہتمام سے مسجد میں چراغاں اور شیرینی تقسیم کرائی۔ آپ اردو و فارسی کے زبردست ادیب تھے۔ آپ دونوں زبانوں میں ایسی عبارت لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے جس کے ہر فقرہ سے مادہ تاریخ نکلتا ہو۔ نواب صاحب کی تصانیف میں سبیل بخشش، آئینہ آخرت، جزر و مد، مجالس العلوم بہت مقبول ہوئیں۔ نواب صاحب اردو، فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ شاعری میں مولوی عبدالملک ممتاز بریلوی سے تلمذ کیا۔ عزیز مخلص اختیار کیا اور اتنے مشہور ہوئے کہ بریلی میں کسی شاعر کو اتنی شہرت نصیب نہ ہوئی۔ آپ انتہائی عابد و زاہد و متقی و پرہیز گار تھے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشہ میں ایمان داری اور دیانت داری کے باعث تمام عدالتیں بہت زیادہ احترام کرتی تھیں۔

مولانا نقی علی خاں سے آپ کے بہت قریبی روابط تھے۔ آپ شرعی معاملات میں مولانا نقی علی خاں کی آرا کو سند تسلیم کرتے تھے۔ مولانا نقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے درمیان اثر ابن عباس کے مسئلہ پر تنازعہ ہوا اور مولانا نقی علی خاں نے ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں عید گاہ میں مولانا احسن کے نماز پڑھانے کو ناپسند کیا تو مولانا احسن کی امامت کے خلاف دیگر علما اور معززین شہر کے علاوہ نواب عبدالعزیز خاں دستخط کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ مولانا نقی علی خاں بھی نواب صاحب کی نیکی، شرف و نوازی، غر با پروری اور علم دوستی کی بنا پر بہت ادب و احترام کرتے تھے۔

شکل و شباهت

مولاناقلی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے مشہور قبیلہ بھڑیج سے تعلق رکھتے تھے۔ افغانی قوی الجیش اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ مولاناقلی علی خاں میں بھی یہ خوبیاں موجود تھیں۔ آپ دراز قد اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ گول نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جن سے مہر و محبت عیاں، علم و فضل اور عشق رسول سے معمور چوڑا چکلا سینہ، ستواں ناک، گورا چہرہ رنگ۔ چہرہ پر گہنی داڑھی جو آخر عمر میں کچھ سفید ہو گئی تھی چہرہ کو اور زیادہ جاذبیت عطا کرتی تھی۔ باریک گلابی ہونٹ جن پر مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔ مجموعی اعتبار سے انتہائی حسین، خوبصورت و دلکش شخصیت کے مالک تھے۔ متانت اور سنجیدگی ابتداء ہی سے تھی۔ مزاج میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو اس بات کا گمان نہیں ہونے دیا کہ آپ بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ اپنے بڑوں اور بزرگوں کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے۔

معمولات دینی و دنیاوی

کتب بنی

مولاناقلی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بنی کا بہت شوق تھا۔ آپ کا بیشتر وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔ آپ کے مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ جس کتاب کو پڑھتے اول سے آخر تک پڑھتے درمیان میں نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کے وسعت مطالعہ کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً آپ نے ”الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح“ میں ستاسی سے زیادہ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جس سے علمی و دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ نویسی

تیرہویں صدی ہجری میں مولاناقلی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سرزمین بریلی پر مسند افتا کی بنیاد رکھی اور چونتیس سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ امام العلماء نے اپنے فرزند سعید مولاناقلی علی خاں کو خصوصی تعلیم دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ مولاناقلی علی خاں نے مسند افتا پر رونق افزا ہونے کے بعد سے ۱۲۹۹ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علماء و فقہاء سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ مولانا نے طویل عرصہ تک ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کیے۔ مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ تیار نہ ہو سکا اس لئے ان کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی لیکن مختلف علوم و فنون پر آپ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ آپ کے اقوال و آرا کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے اور اپنے فتوؤں پر مولاناقلی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق لازمی و ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے پاس عام طور پر فتاویٰ تصدیقات کیلئے آتے تھے۔ آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر جوابات صحیح ہوتے دستخط کر کے مہر ثبت کر دیتے تھے اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے تھے کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب ممدوح (مولاناقلی علی خاں) کو کسی کی تکفیر مشہر کرنے سے کیا غرض تھی نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں اور جو خلاف کتاب ہوتے ہیں جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔“ ۲

تصنیف و تالیف

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بنی، فتویٰ نویسی، درس و تدریس، عبادت و ریاضت، خدمات دینی و ملی کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی بہت زیادہ شغف تھا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی آپ اپنے دور میں نادر روزگار تھے اور جامعیت علوم میں ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی۔ آپ نے اردو زبان کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا۔ آپ نے مختلف علوم و فنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ خاص طور پر سیرت نبوی، اصلاح معاشرہ، تعلیم و تعلم، علم معاشرت، تصوف وغیرہ موضوعات و مسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔ آپ کے خلف اکبر مولانا احمد رضا نے چھبیس کتابوں کا ذکر کیا ہے اور باقی کتابوں کے مسودات ملے ہیں جن کے اول و آخر یا وسط کے اوراق غائب ہیں اس طرح ایک اندازہ کے مطابق آپ نے چالیس کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی پیش بہا تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں طبع نہ ہو سکیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل کی دولت کے ساتھ استغنا کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت کچھ علما اپنے علم کو جنس تجارت بنا کر برطانوی حکام سے نذرانے وصول کر کے اور دولت مندوں سے چندہ لے کر اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے اس وقت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے ہم مسلک اور معتقدین رؤسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مذہبی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

درس و تدریس

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے۔ آپ نے درس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ طلباء دور دور سے آپ کے پاس اکتساب علم کیلئے آتے تھے۔ آپ بہت ذوق و شوق کے ساتھ طلباء کو تعلیم دیتے تھے۔ مولانا قوم کی فلاح و بہبود کیلئے دینی

تعلیم کو لازمی قرار دیتے تھے۔ مولانا کو مسلمانوں کی علم دین کی جانب سے لاپرواہی پر بہت تشویش تھی۔ چنانچہ مولانا نے دینی تعلیم کے فروغ کیلئے بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ قائم کیا۔

مدرسہ اہل سنت کا قیام

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام انفرادی طور پر دینی و مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ جن میں مولوی ہدایت علی فاروقی اور مولوی یعقوب علی کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولوی ہدایت علی بریلوی، بریلی کے محلہ قردان کے ساکن تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولوی ہدایت علی نے ”مدرسہ شریعت“ کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں آپ دینی تعلیم دیتے تھے اکبر حسین کبہہ کی بیوی نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا وہ تنہا اس مدرسہ کے مصارف برداشت کرتی تھیں۔ بریلی میں یہ پہلا دینی مدرسہ تھا۔ مدرسہ میں شہر کبہہ کے رئیس مولوی یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

ان مدارس کے باوجود بریلی میں کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جو باقاعدہ مذہبی تعلیم دے سکتا اس لئے مولانا نقی علی خاں بریلوی نے کوٹھی رحیم داد خاں واقع محلہ گلاب نگر، بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ ۲

تلاش و جستجو کے باوجود مدرسہ کے قیام کی سن و تاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔ مدرسہ کے مصارف عوام کے مدد و تعاون سے پورے ہوتے تھے۔

مولانا احسن نانوتوی نے بھی بعد میں محلہ مداوی دروازہ کی ایک مسجد میں ”مصابح الہندیہ“ نام سے ایک مدرسہ 1872ء میں قائم کیا۔ ۳ ”حیات اعلیٰ حضرت“ میں ”مصابح الہندیہ بریلی“ کا بانی مولانا نقی علی خاں کو قرار دیا گیا ہے۔ ۴ اس تسامح کو اعلیٰ حضرت کے سبھی سوانح نگاروں نے بھی قائم رکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ”مدرسہ اہل سنت“

اور ”مدرسہ مصباح التہذیب“ کے بارے میں مولاناقلی علی خاں کے شاگرد مفتی حافظ بخش آنولوی اس طرح رقم طراز ہیں:-

”حالانکہ بہت سے صاحب ہرگز ”مصباح التہذیب“ میں چندہ نہیں دیتے بلکہ مدرسہ اہل سنت میں شریک ہیں اور عمائد شہر کہنہ کا چندہ وہاں کے مدرسہ سے متعلق ہے اور بعض صاحب محض خاطر داری اہل شوریٰ اراکین مصباح التہذیب یا بوجہ ملال و خصوصیت معاملات دینی و دنیوی کہ فاضل بریلوی (مولاناقلی علی خاں) اور مہتمم ”مدرسہ اہل سنت“ سے رکھتے ہیں اس طرف شریک ہیں۔ کچھ لوگ ابھی اس حال سے واقف نہیں کہ نانوتوی صاحب نے مدرسہ بوجہ خلاف عقیدہ ”مدرسہ اہل سنت“ سے علیحدہ کر لیا اور بعض حضرات سرے سے اختلاف عقیدہ فریقین کو اختلاف جزئیہ کے قبیل سمجھتے ہیں اور فریقین کو ہم عقیدہ جانتے ہیں۔“

مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ بالا تحریر ”مدرسہ اہل سنت“ اور ”مدرسہ مصباح التہذیب“ کے چندہ سے متعلق ہے مگر اس تحریر سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:-

◆ مولاناقلی علی خاں اور مولانا حسن نانوتوی کے مابین عقیدہ کا اختلاف تھا۔

◆ ”مدرسہ اہل سنت“ مولاناقلی علی خاں نے قائم کیا تھا اور مولانا نانوتوی نے ”مدرسہ مصباح التہذیب“ قائم کیا تھا

◆ مدرسہ اہل سنت، مدرسہ مصباح التہذیب سے قبل قائم ہوا۔

◆ اب سے تقریباً سو سو سال قبل ذرائع ابلاغ کی کمی کی وجہ سے شہر کہنہ کے عوام نے شہر کے حالات سے جلدی باخبر نہیں ہو پاتے تھے اس لئے شہر کہنہ کے سارے مسلمان اس بات سے

واقف نہیں ہو سکے تھے کہ مولاناقلی علی خاں اور مولانا نانوتوی کے درمیان عقیدہ کا اختلاف ہے اس لئے مدرسہ مصباح التہذیب میں چندہ دیتے تھے۔

◆ مدرسہ مصباح التہذیب 1872ء قائم ہوا اس لئے مدرسہ اہل سنت اس سے قبل قائم ہوا ہوگا۔

”مدرسہ اہل سنت“ اپنے وقت کا معروف اور معیاری دینی مدرسہ تھا۔ مولانا نانوتوی کا مدرسہ مصباح التہذیب، مدرسہ اہل سنت کے مقابلہ کا نہ تھا۔ اس میں ابتدائی درجات کے بہت کم طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:-

”نانوتوی صاحب فرمائیں کہ مصباح التہذیب میں ”شرح شمس“ کی سند کوئی پڑھتا ہے؟ یا ان کے مدرس اعلیٰ یہ کتابیں پڑھا سکتے ہیں وہاں صرف چند طلباء صرف و نحو اور چند لڑکے قرآن خوانی کے، کون پڑھتا ہے۔ بتائیے مصباح التہذیب کے قیام سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا۔“

مولاناقلی علی خاں رحمہ اللہ درس و تدریس سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیت دیتے تھے۔ آپ علم معقول و منقول پر پوری دسترس رکھتے تھے۔ مولانا کے شغف اور علم و فضل کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا کے عم عصر اور دوست نواب نیاز احمد خاں ہوش لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب رحمہ تعالیٰ (مولاناقلی علی خاں) کا گل اسلام تازہ رنگ لایا یعنی اکثر اشخاص کو تعلیم کا شوق دلاتے ہیں اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگام کلام کا دریا بہہ جاتا ہے۔ العالم اذا تکلم فهو البحر و تموج (عالم جب گفتگو کرتا ہے تو علم کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے) کا

مضمون انہیں کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی علم میں عار نہیں۔ ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایت باری نہیں اور خیر میں اپنی اوقات عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائل مشککہ معقول نے ان کے سامنے مرتبہ حضوری پایا۔ منقول میں بدوں حوالہ آیت و حدیث کلام نہ کرنا ان کا قاعدہ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی اپنے اپنے قیاس و شعور کے مطابق صفرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الاتباع بنا کر دعویٰ توصیف ثابت کر دکھاتے ہیں۔ آخر الامر نتیجہ نکالتے ہیں یہ شعر زبان پر لاتے ہیں۔

کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے
شمس آ کر سبق شمس پڑھتا ہو اگر آیا
ہوٹ

عبادت و ریاضت

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ زبردست عالم، مفتی، وقت، فقیہ عصر، پابند شرع اور عابد شب بیدار تھے۔ پرہیزگاری اور خدا پرستی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ ہر وقت با وضو رہتے تھے۔ نماز با جماعت کے پابند تھے اور قلب درود شریف کا ذکر۔ روزے پابندی سے رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اتباع سنت کے انوار سے منور تھا۔ طبیعت ناساز ہوتی تب بھی نماز با جماعت مسجد میں ہی ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے بھی رکھتے۔ تصنیفی، تبلیغی اور علمی مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف فرائض و واجبات بلکہ نوافل مستحبہ، اوراد و وظائف، ارشاد شعبہ جات عبادت کو محیط تھے

۱۔ سرور القلوب فی ذکر المحبوب مصنف مولانا نقی علی خان تفریط: امام احمد رضا ص 6

اخلاق و عادات

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کے اخلاق و عادات بہت عمدہ تھے۔ پوری زندگی عشق رسول ﷺ اور اتباع سنت میں گزری۔ اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام کہنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ کرتے اور نہ احتراماً کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے۔ غربا و مساکین اور طلبہ کیساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر ان کی مالی مدد بھی کرتے تھے۔ علما و طلبہ کا بہت احترام کرتے تھے، ان کے آنے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ انتہائی خوش مزاج اور با اخلاق تھے۔ غرور و تکبر نام کو نہ تھا، خدام اور ملازمین سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ خدا کی رضا کیلئے خدمت دین آپ کا مشغلہ تھا۔ کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

خصوصیات

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ہی دقت نظر اور اصابت فکر میں اپنے ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ ایک فقیہ کیلئے جس دینی فہم و فراست، زیرکی و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے مولانا میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ بلندیء اقبال اور علو و ہمت کے مالک تھے۔ مروت، سخاوت، شجاعت و قناعت، دبدبہ و جلال، علم و عقل وغیرہ فضائل کے جامع تھے۔ مولانا کی خصوصیات کا ذکر امام احمد رضا اس طرح کرتے ہیں:-

جو دقت نظر وحدت افکار صائب الرائے ثاقب حضرت حق
جل و علانے انہیں عطا فرمائی ان دیار امصار میں اسکی نظیر
نظر نہ آئی۔ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو
کچھ فرما دیا وہی ظہور میں آیا۔ عقل معاش و معاد دونوں کا بدرجہ
کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں نے دیکھا۔ بریں سخاوت

کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کیلئے جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا۔ اس جہاد کمیٹی میں امام العلماء مولانا رضا علی خاں، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کوروی، مولانا تقی علی خاں بریلوی، مولانا شاہ احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی ثم بریلوی، جنرل بخت خاں وغیرہا کے اسمائے گرامی خاص طور قائل ذکر ہیں۔ ۱۔

مولانا تقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے۔ آپ نے اپنی انگریز مخالف تقاریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دی اور بریلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

اثر ابن عباس اور مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

مولانا تقی علی خاں بریلوی کی حیات اور علمی و ادبی کارناموں کا جائزہ لیتے وقت اس بحث کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے جس کا تعلق مسئلہ اثر ابن عباس سے ہے۔ مولانا تقی علی خاں اس بحث کے قائد تھے اور انیسویں صدی کے آخر میں پورے برصغیر میں اس کے زبردست اثرات محسوس کئے گئے۔ مولانا احسن نانوتوی زمانہ قیام بریلی (1851ء تا 1877ء) بریلی کالج، بریلی میں عربی، فارسی کے استاد تھے اور اپنے مطبع صدیقی بریلی سے کتب کی تصنیف و اشاعت کا کام کرتے تھے۔ انہیں کے ایک ساتھی مولوی امیر احمد سہوانی تھے۔ 1871ء میں شیخوپور ضلع بدایوں میں ”مسئلہ امتناع وامکان نظیر“ پر مولانا عبدالقادر بدایونی (م 1901ء) اور امیر احمد سہوانی کے درمیان ایک مناظرہ ہوا۔ مولوی نذیر احمد سہوانی (م 1881ء) نے دونوں فریق کے مفصل حالات پر مشتمل ایک کتاب ”مناظرہ احمدیہ“ کے نام سے طبع کرادی۔ مناظرہ میں اثر ابن عباس بھی زیر بحث آیا۔ ۲۔ مناظرہ میں جو حدیث زیر بحث آئی وہ یہ تھی:-

۱۔ مشعل راہ مرتبہ: عبدالحمکیم اشرف مطبوعہ: کراچی (پاکستان) ص 126

۲۔ مولانا احسن نانوتوی از: پروفیسر ایوب قادری مطبوعہ کراچی پاکستان ص 85

”بیشک اللہ نے سات زمینیں پیدا کیں ہر زمین پر آدم ہے تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہے تمہارے موسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہارے نبی (حضور اکرم) کی طرح“ مولوی نذیر احمد نے اپنی کتاب کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ:-

”مولوی احسن نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباس) کے معتقد ہیں اور اس مضمون پر انکی مہر ثبت ہے اور اسی کے اور علمائے دین بھی قائل و معتقد ہیں۔“ ۱۔

اس معاملہ نے زبردست طول پکڑا اور مولانا احسن نانوتوی کی مخالفت کا ماحول پیدا ہو گیا جس کی قیادت مولانا تقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ بقول پروفیسر ایوب قادری:-

”اثر ابن عباس کے مسئلہ میں علمائے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی، بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولانا تقی علی خاں کر رہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبدالقادر سرخیل جماعت تھے۔“ ۲۔

مولانا احسن نانوتوی ایک مدت سے بریلی عید گاہ میں عیدین کی امامت کرتے تھے۔ اس تنازعہ نے اتنا طول پکڑا کہ ۱۲۹۰ھ مطابق 1873ء کو نماز عید الفطر کے موقع پر مولانا تقی علی خاں نے عید گاہ میں مولانا احسن نانوتوی کے نماز پڑھانے کو پسند نہیں کیا۔ صورت حال بگڑتی دیکھ کر مولانا احسن نانوتوی کو مولانا تقی علی خاں کی امامت میں نماز پڑھانے کا فیصلہ لینا پڑا اور عید گاہ سے ہی مولانا تقی علی خاں کو بلانے کا پیغام بھیجا۔ جب مولانا تقی علی خاں کے عید گاہ کے قریب پہنچے کی خبر آئی تو مولانا نانوتوی فوراً مصلے پر پہنچ گئے اور نماز پڑھادی۔ مولانا تقی علی خاں نے عید گاہ کے قریب حسین باغ میں بڑی تعداد

۱۔ مناظرہ احمدیہ از: محمد نذیر سہوانی مطبعہ: شعلہ طور کانپور ص 47

۲۔ سوانح مولانا احسن نانوتوی از: ایوب قادری مطبعہ: جاوید پریس، کراچی ص 94

میں موجود مسلمانوں کی عید کی نماز کی امامت کی، مولانا احسن نانوتوی کی اقتداء نہیں کی۔ اس سلسلہ میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:-

”فاضل بریلوی (مولانا تقی علی خاں) نے عید گاہ جانا مناسب نہ سمجھا مسجد جامع تشریف لے گئے۔ حضرت (مولانا نانوتوی) کو اس سے صبر نہ آیا۔ مسجد جامع سے یہ کہہ کر بلایا کہ میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا جسے چاہے آپ امام کیجئے میں اس کی اقتداء کر لوں گا۔ جس وقت فاضل بریلوی سڑک پر پہنچے خبر پاتے ہی حضرت مصلے پر تھے۔ فاضل بریلوی کو نہ جھگڑا منظور تھا نہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا۔ حسین باغ میں نماز پڑھا کر چلے آئے۔“ ۱

دراصل مولانا نانوتوی اثر ابن عباس کو صحیح اور معتبر جانتے تھے اور اس پر ان کا عقیدہ بھی تھا۔ وہ اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:-

”میرا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور مزین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔“ ۲

حضرت اثر ابن عباس اور مولانا نانوتوی کے عقیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں میں الگ الگ نبی ہوئے اور ہمارے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ چھ اور خاتم النبیین ہوئے۔

اس سلسلہ میں مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کا موقف اور عقیدہ یہ تھا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ

صاف فرماتا ہے ”ولكن الرسول الله و خاتم النبیین“۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد حدیث پر عمل نہیں کیا جائیگا۔ مولانا تقی علی خاں مذکورہ بالا حدیث پر عقیدہ رکھنے والے کو عقیدہ اہل سنت کے خلاف جانتے تھے چنانچہ علما کی ایک بہت بڑی جماعت مولانا تقی علی خاں کی حمایت میں میدان میں اتر آئی۔ مولانا تقی علی خاں بریلوی کی جانب سے ایک استفتاء علمائے رامپور کو بھیجا گیا جس کا جواب مفتی نور النبی رامپوری نے ان الفاظ میں دیا:-

”یہ عقیدہ زید کا فاسد ہے کہ بخلاف نص قرآن کے قائل ہونا سات خاتم النبیین کا اور قرآن سے ایک ثابت ہے اور وہ ایک منحصر ہے ذات بالبرکات محمد الرسول اللہ ﷺ میں اور نص یہ ہے کہ ”ما کان محمد ابدا احد من رجالکم و لكن الرسول الله و خاتم النبیین اور نیز قول زید کا مخالف اجماع کے ہے اس لئے از صحابہ تا ایندم کوئی مفسر و محدث وجود تعداد خاتم النبیین کا مقرر نہیں۔ شاید کہ حدیث شاذ کہ قسطلانی وغیرہ میں مرقوم ہے اور اس سے قائل نے اجتہاد کر کے باعانت و وسوسہ شیطان کے قائل اس تعداد کا ہوا ہو۔ یہ اجتہاد اس کا بچند وجوہ باطل ہے۔ پس اس صورت میں زید خارج از مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ جمیع فرق اہل اسلام سے خارج۔ کس واسطے کہ کوئی فرقہ قائل اس کا نہیں کہ سات خاتم النبیین ہیں۔“ ۱

مندرجہ بالا فتوے پر درج ذیل علماء کرام اور مفتیان عظام کی تصدیقات ہیں:-

1 : مولانا سدید الدین خاں خلف مولانا رشید الدین خاں

- 2 : مولانا مفتی ولی النبی رامپوری
- 3 : مولانا سید حسین شاہ محدث رامپوری
- 4 : مولانا محمد حیدر علی رامپوری
- 5 : مولانا شیخ محمد علی درویش مطوف رامپور
- 6 : مولانا عبدالحق خیر آبادی بن علامہ فضل حق خیر آبادی
- 7 : مولانا عبدالمعلی رامپوری
- 8 : مولانا محمد یعقوب علی خاں رامپوری
- 9 : مولانا اظہر الدین احمد رامپوری

ان کے علاوہ رامپور کی ایک عظیم مذہبی شخصیت اور مولانا نقی علی خاں اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے متفقہ عالم دین مفتی ارشاد حسین مجددی فاروقی کو بھی مولانا نقی علی خاں کی طرف سے استغنا بھیجا گیا۔ آپ نے قرآن وحدیث ومحدثین وفقہاء عظام کی طرف سے ثابت کیا کہ:-

”اس پر عقیدہ رکھنا اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ خاتم النبیین حضور ﷺ ہیں اور حدیث شاذ ہے۔“ ۱

اس فتوے پر بھی نو علمائے کرام ومفتیان عظام کی تصدیقات ثبت ہیں۔

دوسری جانب مولانا احسن نانوتوی نے بھی اپنے عقیدہ وموقف کی حمایت حاصل کرنے کیلئے ایک سوالیہ اشتہار چھپوا کر دیگر اضلاع کے علماء ومفتیان عظام کو بھیجا مگر صرف دو جواب آئے۔ پہلا جواب مولانا احسن نانوتوی کے رشتہ دار مولانا قاسم نانوتوی نے دیا اور کتاب ”تحذیر الناس“ تحریر کی۔ مولانا قاسم نانوتوی نے تو یہاں تک لکھا کہ:-

”رسول کا خاتم ہونا عوام کا خیال ہے۔ بایں معنی کہ آپ کا زمانہ

انبیائے سابق کے بعد ہے اور سب میں آخری نبی ہیں۔“ ۲

دوسرا جواب مولانا عبدالحق فرنگی محلی کا آیا انہوں نے اس کے جواب میں تین رسالے لکھے۔

مولانا نقی علی خاں کے عقیدہ کی حمایت اور ان کے عقیدہ وموقف کی تائید اور ”مناظرہ احمدیہ“ و ”تحذیر الناس“ کی رد میں درج ذیل رسالے و کتب لکھے گئے:-

(۱): تحقیقات احمدیہ حل اوہام نجدیہ ۱۳۸۹ھ/ 1872ء:-

مولانا فضل مجید بدایونی (م ۱۳۲۴ھ/ 1906ء) تلمیذ مولانا عبد القادر بدایونی نے مناظرہ احمدیہ کے جواب میں یہ رسالہ لکھا۔ یہ مطبع الہی آگرہ میں چھپا۔

(۲): الکلام الاحسن:- مولانا احسن نانوتوی کے رد میں مولانا ہدایت علی بریلوی کا رسالہ ہے

(۳): تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال ۱۳۹۱ھ/ 1874ء:-

مفتی حافظ بخش آنولوی نے شائع کی۔ اس میں مولانا نقی علی خاں کی حمایت اور مولوی احسن دامیر احمد سہوانی کی مذمت کی ہے۔

(۴): فتاویٰ بے نظیر در نفی آنحضرت بشیر و نظیر:-

اس رسالہ میں تمام علماء کے فتوے یکجا شامل ہیں جو اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے۔ بدایوں اور بریلی کے علماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں

(۵): قسطاس فی موازنة اثر ابن عباس:-

مولانا شیخ محمد تھانوی کی اس موضوع پر قابل قدر کتاب ہے اس میں مولانا نقی علی خاں کے موقف کی حمایت کی گئی ہے۔

اس طرح اثر ابن عباس کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا احسن نانوتوی منکر خاتم

النبیین ٹھہرتے تھے اس لئے فتوؤں کی رو سے مولانا احسن نانوتوی کی تکفیر مشہور ہو گئی۔ اس کے بعد

مولانا احسن نانوتوی نے ایک اشتہار شائع کیا جس کے بارے میں یہ مشہور ہوا کہ مولانا نانوتوی نے توبہ

کر لی ہے۔

اس اشتہار میں مولانا حسن نانوتوی نے لکھا:-

”معد القدر کے روز سے چچا ہو رہا تھا کہ مولوی نقی علی خاں صاحب نے ایک استفہارامپور سے منگوایا ہے جس کی رو سے میری تکفیر مشہور کی وہ استفہارامپور سے ہائیفصل نہیں گزرا بعد تشریف لانے مولوی یعقوب علی خاں کے میں نے اس کی نقل مفصل دیکھی اور اس عقیدہ والے کی تکفیر پر میں بھی علما کے ساتھ متفق ہوں یعنی جو شخص خاتم النبیین سوائے آنحضرت ﷺ کسی دوسرے کو جانے اور آپ کی نبوت کو مخصوص کسی طبقہ کے ساتھ جانے وہ شخص میرے نزدیک بھی خارج از دائرہ اسلام اور کافر ہے لہذا پر نظر دور کرنے منطہء عوام یہ اشتہار دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوانہ کوئی نبی خاتم النبیین ہوا نہ ہوگا۔ پس خلاف اس عقیدہ کے غیر صحیح اور غلط تصور کیا جائے۔ المشتہر محمد حسن صدیقی“۔

ماحصل

دراصل یہ مناظرہ مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا امیر احمد بدایونی کے درمیان منعقد ہوا تھا جس کی روداد رسالہ بنام ”مناظرہ احمدیہ“ میں مولانا نذیر احمد سہوانی نے شائع کرائی اور اس میں بالواسطہ طور پر مولانا حسن نانوتوی کو شامل کیا۔ چونکہ مولانا نانوتوی عید گاہ باقر حج بریلی میں نماز عیدین کی امامت کرتے تھے اس لئے ان کے خلاف آواز اٹھنا ایک قدرتی اور فطرتی بات تھی۔

مولانا حسن نانوتوی کی جانب سے اثر ابن عباس کی صحت میں جو تحریرات شائع ہوئیں ان سے ”مناظرہ احمدیہ“ میں شائع ہوئی تحریر کی تائید ہوتی تھی مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ جو اپنے ہم عصر علما میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور زبردست دینی فہم و فراست اور فقیہانہ شان کے مالک تھے ان کا مولانا نانوتوی کے مقابل آئندہ ہی ودینی تقاضہ تھا

”مناظرہ احمدیہ“ میں جو تحریر شائع ہوئی اگر مولانا نانوتوی ابتداء میں ہی اس کا رد کر دیتے تو معاملہ اتنا طول نہ پکڑتا مگر اس کے برخلاف انہوں نے اس تحریر کو صحیح ثابت کرنے کی سعیء لا حاصل کی اور نتیجہ درانجام توبہ نامہ شائع کرنا پڑا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تنازعہ میں ان تمام علما نے جو صحت اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے مولانا نانوتوی کی تکفیر کی مگر مولانا نقی علی خاں نے انتہائی احتیاط سے کام لیا اور مولانا نانوتوی کی تکفیر نہیں کی اور ان کے عقیدہ کو عقیدہ اہل سنت کے خلاف قرار دیا۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:-

”مولوی صاحب ممدوح کو کسی کی تکفیر مشہور کرنے سے کیا غرض تھی۔ نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں جواب علیحدہ لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔“

شہید محبت کا سفر آخرت

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کا خونی اسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق 1880ء کو وصال ہوا۔ علما نے اس کو شہادت سے تعبیر کیا۔ آپ اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں مجواستراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی آپ کے آخری لمحات کا اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”سبح ذیقعدہ پنج شنبہ وقت ظہر ۱۲۹ھ کو کیا دن برس پانچ ماہ کی عمر میں بعارضہ اسہال و موی شہادت پا کر شب جمعہ اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز کے کنار میں جگہ پائی۔“

اللہم انا الیسا بن محمد

روز وصال نماز صبح پڑھ لی تھی اور ہنوز وقت ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا۔ نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کئے متواتر سلام فرماتے تھے۔ جب چند انفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر پھیرا گویا وضو فرما رہے ہیں یہاں تک کہ اشتیاق بھی فرمایا سبحان اللہ! اپنے طور پر حالت بے ہوشی میں نماز بھی ادا فرما گئے۔ جس وقت روح پر فتوح نے جدا فرمائی فقیر سر ہانے حاضر تھا۔ واللہ العظیم ایک نورلیخ علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اٹھکر برق تابندہ کی طرح چمکا اور جس طرح لمعان خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔“ ۱

مولانا نقی علی خاں بریلوی کے وصال پر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے درج ذیل تواریخ وفات استخراج کیں:-

- ۱ کانه نہایۃ مع العظما
- ۲ خاتم اجلہ الفقہا
- ۳ امین اللہ فی الارض ابدا

- ۴ ان فقد فتلک کلمۃ بہایہتدی
- ۵ ان موتۃ العالم موتۃ العالم
- ۶ وفاة عالم الاسلام ثلثة فی جمع الانام
- ۷ خلل فی باب العباد لا ینسد الی یوم القیام
- ۸ یاغفور
- ۹ کمل لہ ثوابک یوم النشور
- ۱۰ امتحہ جنت للمتقین

مولانا نقی علی خاں

ارباب علم و دانش کی نظر میں

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی:-

سیدی والد ماجد میری نعمت کے والی اہل تحقیق کے خاتم، اہل تدقیق کے امام، حامی سنت، ماحی بدعت، عمدہ تصانیف، غالب جتہ روشن طریق والے حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب القادری البرکاتی البریلوی قدس سرہ القوی۔

الاجازات المتینہ۔ از۔ امام احمد رضا ص ۱۱۸

نبیرہء حافظ الملک نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی:-

”مولانا رضا علی خاں کے نخل کمال سے ایک گل تازہ کھلا جن علم فصاحت و بلاغت بھی پھولا پھلا یعنی انہوں نے نسخہ آب و تاب موسوم بہ لب لباب معروف بہ ”سرور القلوب فی ذکر الحبوب“ تالیف کیا ہے۔ یہ رنگ برنگ کے مضامین رنگین سے میدان بیان کو فحلت دہ باغ رضوان بنا دیا ہے گلہائے وعظ و پند کی شگفتگی سے عین یقین ہوتا ہے کہ یہ کتاب گلستان بلکہ رنگین عبارت کی روش سے کھلتا ہے کہ واقعی عین گلستاں ہے اور شگفتگی میں سراسر ہم پلہ بوستاں ہے۔“

تقریظ برسرور القلوب فی ذکر المحبوب ص ۶

مولانا ظفر الدین بہاری:-

جناب فضائل آب، تاج العلماء، راس الفہلا، حامی سنت، ماحی بدعت، بقیۃ السلف، جتہ الخلف مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ

حیات اعلیٰ حضرت (جلد اول) ص ۶

مولانا ہدایت علی ہدایت بریلوی:-

مجمع مکارم اخلاق، منبع جود و شفاق، قبول بارگاہ رب العالمین، مداح سید المرسلین، ہادی اُمت رسول خدا، نحر امواج علم صدق و صفا، افضل علمائے زماں، مولوی محمد نقی علی خاں، ابن مولوی محمد رضا علی خاں بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبان قلم لال ہے۔ انسان سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے۔

تقریظ دوم برسرور القلوب فی ذکر المحبوب ص ۵

مولوی عبدالحی رائے بریلوی

الشیخ الفقیہ نقی علی، ابن رضا علی، بن کاظم علی، بن اعظم شاہ بن سعادت یار خاں الافغانی البریلوی احد الفقہاء الحنفیہ اسناد الحدیث عن شیخ احمد بن زین دحلان الشافعی۔

نزہتہ الخواطر ص ۵۰۹

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا نے اکثر علوم و فنون اپنے والد ماجد علامہ محمد نقی علی خاں سے حاصل کئے۔ وہ علم و دانش کا نحر ذخارتھے۔ امام احمد رضا کے سینہ میں علم و فضل کا سیلاب ادھر ہی سے امنڈ کر آیا تھا۔

عشق ہی عشق۔ ناشر المختار، پبلیکیشنز کراچی ص ۷

مرزا عبد الوحید بیگ نبیرہء مرزا مولوی غلام قادر بیگ

آپ کو درس و تدریس کا بڑا شوق تھا آپ کی ذات مرجع علماتھی آپ کے اقوال و آراء کو علماء وقت سند تسلیم کرتے تھے۔

حیات مفتی اعظم ہند ص ۳۳

مولوی ابراہیم خوشتر:-

درس و تدریس تصنیف و تالیف کے علاوہ علم و عمل، فکر و نظر، فہم و فراست میں بے نظیر تھے۔ مزید برآں سخاوت و شجاعت، غربا سے محبت، حکام سے نفور، خلوت و جلوت میں اتباع سنت، امور دینی میں استقامت آپ کی زندگی کا روشن پہلو ہے۔ پھر عشق رسول ﷺ اور سرکوبی اعدائے دین رسول مقبول تو آپ کا سرمایہ زندگی تھا۔

تذکرہ جمیل ص ۹۷

مولوی رحمن علی ممبر کونسل ریاست حیدرآباد:-

مولانا نقی علی خاں ذہن ثاقب و رائے ثاب رکھتے تھے حق تعالیٰ نے ان کو عقل معاش و معاد دونوں میں ممتاز اقران بنایا تھا علاوہ شجاعت جبلی کے حضرت صفت سخاوت، تواضع و استغنا سے موصوف تھے اپنی تمام عمر قیمتی اشاعت سنت و ازالہ بدعت میں صرف فرمائی۔

تذکرہ علمائے ہند۔ لکھنؤ ۱۹۱۴ء ص ۱۷۰

مفتی بدرالدین احمد گورکھپوری:-

حضرت مولانا شاہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد شاہ رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر، بے نظیر مصنف گزرے ہیں۔

سوانح اعلیٰ حضرت، ناشر رضا اسلامک مشن بریلی ص ۹۴

پروفیسر مجید اللہ قادری (جامعہ کراچی)

آپ کو 43 سے زیادہ مختلف علوم و فنون پر دسترس حاصل تھی آپ نے تصنیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی طرف بھی توجہ دی۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ طلباء دور دور سے آپ کے دولت کدہ پر اکتساب

علم کے لیے آتے تھے۔

معارف رضا جلد نہم ص ۱۹۷

مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ وقت کے امام اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحب تصنیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے۔

ماہنامہ ڈائجسٹ استقامت کانپور ماہ مئی ۱۹۸۳ء ص ۵۷

ڈاکٹر حسن رضا خاں پی۔ ایچ۔ ڈی

حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر اور بے نظیر مصنف تھے۔

فقیہہ اسلام۔ ناشر اسلامک پبلیکیشنز پٹنہ ص ۱۱۷



باب چہارم

مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ

پندرہویں صدی عیسوی میں اردو نثر کا آغاز ہوا اور سولہویں صدی عیسوی تک اردو زبان پورے ملک میں پھیل گئی۔ اردو زبان میں تصنیف و تالیف کی غایت ادبی نہ ہو کر مذہبی تھی یعنی اردو کی زیادہ تر تصانیف تبلیغ اسلام کیلئے کی گئیں۔ اس طرح علما صوفیا و مشائخ کی کاوشوں سے اردو نثر نشو و نما پا کر ترقی کی منزل پر پہنچی۔ انیسویں صدی تک اسلام کا علمی و دینی سرمایہ بڑی حد تک اردو میں منتقل ہو چکا تھا اردو کی ابتدا جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی اس کو فوت کرنے کے لیے مئی 1800ء میں کلکتہ میں انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا اس کالج میں جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان کا مقصد مذہبی نہ ہو کر ذہنی تفریح تھا۔ اس کالج نے مذہب سے ہٹ کر دیوؤں، پریوں، بھوتوں، طوطا جیٹا وغیرہ فرضی کہانیوں پر کتب تصنیف کرائیں اور اس کام کو فروغ دینے کے لیے دہلی لکھنؤ وغیرہ سے بھی آزاد مزاج لوگوں کو آمادہ تصنیف کیا اس طرح اسلامی تہذیب و تمدن و معاشرت کو ملیا میٹ کرنے کی پوری کوششیں کی گئیں اور مسلم معاشرہ کو مغربیت میں غرق کرنے کی سازشیں رچی گئیں۔

اردو نثر جو اسلام کے فروغ و تبلیغ و اصلاح معاشرہ کے لیے عالم وجود میں آئی تھی وہ اردو نثر اب اسلام کی بیخ کنی کے لیے استعمال کی جانے لگی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے بھی خواہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تبلیغ و فروغ کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ کس طرح اسلامی معاشرہ و عقائد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر خاموش تماشا کی بنے رہ سکتے تھے۔ چنانچہ شاہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزاد، مفتی سعد اللہ، مولانا فضل رسول بدایونی، امام بخش صہبانی اور مفتی نقی علی خاں جیسے مبلغین اسلام نے اسلامی تہذیب و تمدن کی ڈھنکی ہوئی کشتی کو سہارا دیا اور قوم کو گمراہی

باب چہارم

مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ

سے بچانے کے لیے نہ صرف عقائد اسلامی کی حفاظت کی بلکہ اردو نثر کی عزت و آبرو بھی بچائی اور اردو نثر جس مقصد کے لیے وجود میں آئی تھی اسے پورا کیا۔

امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں رحمہ اللہ کی نثری تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت سے مسلمانوں کے سینوں کو لبریز کرنے کے لیے ہی اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔ مولانا نقی علی خاں نے مغربی لباس و آداب و معاشرت کی زبردست مخالفت کی، مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلام سے دوری قرار دیا اور مسلمانوں کی بہبودگی اور ترقی کے لیے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو لازمی قرار دیا آپ نے اپنے نظریہ کی تبلیغ کے لیے مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں:-

غیر مطبوعہ:-

- 1 : ازالة الاوهام
- 2 : تزكية الايقان و تقويت الايمان
- 3 : الكوكب الزهرى فى فضائل العلم و آداب العلماء
- 4 : الرواية الروية فى الاخلاق النبوية
- 5 : العقادة التقوية فى الخصائص النبوية
- 6 : وسيلة النجاة
- 7 : لمعة النهر اس فى آداب الاكل و اللباس
- 8 : ترويح الارواح فى تفسير سورة الم نشرح
- 9 : السكّن فى تحقيق مسائل التزوين
- 10 : خير الخطابة فى الحاسبة و المراقبة
- 11 : هدايت المشتاق الى سيرة الانفس و الافاق
- 12 : ارشاد الاحباب الى آداب الاختساب
- 13 : اجمل الفكر فى مباحث الذكر
- 14 : عين المشاهدة لحسن الجهاد
- 15 : تشوق الاداء الى طريق محبة الله
- 16 : نهاية السعادة فى تحقيق الصمة و الارادة
- 17 : اقوى الذريعة الى تحقيق الطريقة و الشريعة
- 18 : اصلاح ذات بين

مطبوعہ:-

- 1 : الکلام الاوضح فى تفسير سورة الم نشرح
- 2 : سرور القلوب فى ذکر المحبوب
- 3 : جواهر البیان فى اسرار الارکان
- 4 : اصول الرشاد قمع مہانی الفساد

- 5 : ہدایت البریۃ الی شریعت الاحمدیہ
- 6 : ازادۃ الاثام لمافى عمل المولد و القیام
- 7 : فضل العلم و العلماء
- 8 : احسن الوعلا آداب الدعا

مولانا نقی علی خاں بریلوی نے تقریباً چالیس کتب تصنیف کیں جن میں مندرجہ بالا چھبیس (۲۶) نام ہی معلوم ہو سکے ہیں۔ کچھ تصانیف کے مسودے بستوں میں ملے جن کے اجزا اول، آخر یا وسط سے گم تھے ان کے بارے میں حسرت و مجبوری ہے مولانا کی غیر مطبوعہ کتب بھی نایاب و عفا ہیں باوجود کوشش و جستجو کے حاصل نہیں ہوئیں۔ مولانا کی کتابوں کے نام عربی میں ہیں مگر کتابیں اردو میں ہیں۔ یہاں ہم ان کی مطبوعہ کتب پر تبصرہ کریں پیش گے۔

- | | | |
|------------|---|--|
| نام کتاب | : | الکلام الاوضح فى تفسير سورة الم نشرح |
| اشاعت اول | : | مکتبہ رضا ایوان عرفان ہیسلمپور (پہلی بھیت) |
| اشاعت ثانی | : | مکتبہ رضا ہیسلمپور ضلع پہلی بھیت |
| صفحات | : | ۳۳۸ صفحات بڑی تقطیع |

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کی یہ تصنیف سورہ الم نشرح کی تفسیر ہے۔ سورہ الم نشرح آٹھ آیات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر میں اتنی ضخیم کتاب ابھی تک تصنیف نہیں کی گئی۔ یہ کتاب مولانا نے عوام الناس کے فائدے کے لئے لکھی تاکہ عوام اس کو پڑھ کر گمراہیت اور لادینی سے نجات پاسکیں۔ اس لیے اس کا طرز تحریر نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں خود لکھتے ہیں:-

”اس تالیف سے افہام عوام مقصود ہے نہ اظہار فضل و کمال اس لیے

اکثر مقام پر نقل عبارت عربی اور ترجمہ لفظی اور اسناد روایات اور

رنگینی عبارت اور تقریرات مشکلہ اور مضامین مغلقہ اور مجمع

اور ترسیع ترک کر کے سہل باتیں جن کو ہر شخص بے تکلف سمجھ

لے زبان اردو میں لکھی جاتی ہیں۔“ ۱

کتاب کے آغاز میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب تصنیف کے مختصر حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا مقدمہ ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نقی علی خاں بریلوی نے ستاسی (۸۷) کتب کے نام لکھے ہیں جن کے حوالے مولانا بریلوی نے اپنی اس کتاب میں دیئے ہیں مثلاً حصن حصین، اسماعیل قاضی، ابو عیسیٰ، ترمذی، مدارج النبویہ، عین العلم، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ وغیرہ۔ ان ستاسی (۸۷) کتب کے علاوہ مولانا بریلوی نے دیگر کتابوں جیسے تفسیر کبیر، تفسیر طبری، مفاخر الاسلام، شرف المصطفیٰ، جواهر التفسیر، شرح سنہ، مواہب الدنیہ، کیمیائے سعادت وغیرہ کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں اپنے زمانے کے زبردست عالم و فاضل تھے اور آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ مولانا بریلوی نے اپنی تصنیف میں تواریخ، انجیل، زبور کے حوالے بھی دیئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا بریلوی ان کتب آسمانی کے بھی زبردست عالم تھے اور ان پر کامل قدرت رکھتے تھے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس تفسیر میں جس کتاب کے جہاں جہاں حوالے دیئے ہیں طوالت سے بچنے کے لیے ان کے پورے نام لکھنے کے بجائے ایک یا دو حرف لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مثلاً فرقان مجید لئے ف، تزدی کیلئے ت، بیہقی کے لیے ق، اشاہ کے لیے شب، کامل ابن عدی کے لیے م، وغیرہ۔ کس کتاب کے لیے کیا حرف یا حروف اختیار کئے گئے ہیں اس کی فہرست بھی مولانا نے ابتدائیہ میں ہی تحریر کر دی ہے۔

مولانا کے علم و فضل اور سرور انبیاء علیہم السلام سے عشق و محبت کا اندازہ اس کتاب کے مقدمہ سے ہی ہو جاتا ہے جس میں مولانا نے محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں اردو میں دو سو پینٹھ (۲۶۵) القاب و آداب استعمال کئے ہیں اور پھر آگے چل کر عربی زبان میں بھی دو سو اڑتالیس (۲۳۸) القاب سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تحریر کئے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

گورنمنٹ سندھ ڈگری کالج سندھ (پاکستان) کے پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے مولانا بریلوی کی تفسیر سورہ الم نشرح کے صرف مقدمہ سے متاثر ہو کر مقالہ بعنوان ”عشق ہو عشق“ تحریر کر ڈالا جس میں مولانا بریلوی کے علم و فضل اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ”تفسیر میں ایک طرف مفسر کے عشق و محبت کا عالم نظر آتا ہے تو دوسری طرف ان کے علم و فضل کی شان نظر آتی ہے۔ بے شمار علوم نقلیہ و عقلیہ کی مصطلحات اور کتابوں کے نام آٹھ صفحات میں اس طرح پر دیئے ہیں جیسے لڑ میں موتی۔

بے شک علم خادم عشق ہے۔ انھوں نے علم کو عشق کی چوکھٹ پر جھکا کر بتا دیا کہ حاصل علم عشق و محبت کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت صفحہ ۴ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا بس بھر کیا تھا۔ ذہن بھی رواں، دل بھی رواں زباں بھی رواں، قلم بھی رواں۔ زباں رکتی نہیں، قلم ٹھہرتا نہیں ایک سیل رواں ہے کہ چلتا چلا جا رہا ہے۔“ ۱

پانچ ابواب پر مشتمل یہ کتاب قرآن مقدس کے رموز و نکات، احادیث مبارکہ کی تشریح، فقہی مسائل، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات، اسلام کی وحدانیت، تصوف وغیرہ کی بہترین تحقیقات کا خزانہ اور نجات و مغفرت کا پروانہ ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا آغاز ”شرح صدر“ کی توضیح اور تشریح سے کیا ہے عربی لغت میں شرح صدر کے معنی سید کو کشادہ اور فراخ کرنے کے ہیں۔

محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر

بھیجا۔ فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اور قلب کو علم و حلم، مہر و محبت اور انوار و تجلیات سے بھر دیا اور پھر سینہ اطہر کو برابر کر دیا۔ اصطلاح میں اسی کو شرح صدر کہا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے شرح صدر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) شرح صدر ظاہری (۲) شرح صدر باطنی۔

شرح صدر ظاہری چار بار واقع ہوا۔ ﴿اول مرتبہ کہنی میں حلیمہ سعدیہ کے گھر

﴿دوسری بار دس برس کی عمر میں،

﴿اور چوتھی بار معراج کی رات یہ معاملہ واقع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے چاروں دفعہ سرکار انبیاء ﷺ کو اپنے نور

کے خزانے سے بہت کچھ عطا فرمایا۔ مولانا نقی علی خاں ﷺ نے چاروں دفعہ کے شرح صدر ظاہری کا تذکرہ انتہائی دلنشین انداز میں کیا ہے۔ دوسری بار کے شرح صدر کا ذکر ملاحظہ ہو۔

فرشتوں نے سینہ مبارک کو چاک کیا اور شفقت و مہربانی سے

بھر دیا۔ غضب غصہ اس امر کا مقتضی ہے فرور ہے اور مہر و محبت

کہ گنہ گار ان امت کو اس کی حاجت ہوتی۔ علت ہو جاوے

حضرت فرماتے ہیں اسی دن سے اپنے دل میں شفقت و

ومہربانی پاتا ہوں۔“ ۱۔

”شرح صدر باطنی“ عنوان کے تحت مولانا نقی علی خاں ﷺ نے توحید، ایمان، نور ایمان، علم، طلب علم، علم سے شیطان کی عداوت، احتساب نفس، عالم کی فضیلتیں، حضور کو یتیم کرنے کی حکمت و استقامت وغیرہ اکیس موضوعات پر اپنی تحقیق کے موتی بکھیرے ہیں اور ہر موضوع پر نہایت مدلل اور محققانہ بحث کی ہے۔

”عالم کی فضیلت“ موضوع کے تحت مولانا بریلوی نے عالم کی اہمیت و عظمت بیان کی ہے اور ساتھ ہی ان نام نہاد واعظین کی بھی خبر لی ہے جو نام و نمود یا مالی منفعت کے لیے من گھڑت حدیثیں اور جھوٹی روایتیں بیان کر کے قوم کو گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے خود ساختہ واعظین کے بارے میں مولانا

بریلوی کا خیال ہے۔

”ہیہات ہیہات اس زمانے کے کتاب خواں اور واعظین

انذار اور تحویف سے کچھ کام نہیں رکھتے یہاں تک کہ

ارحم الراحمین کی رحمت اور شفیع المذنبین کی شفاعت کے

بارے میں موضوع حدیثیں اور جھوٹی روایتیں بیان کرنے

بلکہ خود وضع کرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔“ ۱۔

اسی جگہ آپ نے یہ حدیث شریف بھی نقل کی ہے۔ ”جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے نشست گاہ اپنی دوزخ میں بناوے۔“

آگے چل کر مولانا نے ان لوگوں سے بھی گوشائی کرائی ہے جو عالم کی تعظیم و تکریم سے احتراز کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کہتے ہیں۔

”جس وقت عالم کو دیکھتے ہیں تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور

اسکی تعظیم کو اٹھنا اور مرنا برابر جانتے ہیں اور جب کسی ہنود

اہل کار کو آتے دیکھتے ہیں تعظیم کے لیے دروازہ تک استقبال

کرتے ہیں۔“ ۲۔

شرح صدر باطنی کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے اور

پہلا باب ”شہرت مقدمہ“ کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں آپ نے

بارہ موضوعات کے تحت سرکار دو جہاں ﷺ کے اوصاف، کمالات، انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ

بیان کئے ہیں۔ حضور ﷺ کی امت میں داخل ہونے کے لئے ”دعائے پیغمبراں“ موضوع کے تحت مولانا

بریلوی نے امت مسلمہ کی عظمت و توقیر بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ حضور ﷺ کی امت اتنی عظیم ہے کہ

بارہ پیغمبروں نے حضور ﷺ کی امت میں داخل ہونے کی دعا مانگی۔ اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور اللہ تعالیٰ میں جو کلام ہوا اس کا ذکر مولانا بریلوی نے اس طرح کیا ہے۔

ایک بار ان (موسیٰ علیہ السلام) خطاب ہوا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! جو احمد ﷺ کو نہ مانے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ عرض کیا الہی احمد کون ہے؟ فرمایا وہ تمام خلق کا سردار ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے میں نے اس کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ لکھا جب تک اس کی امت داخل نہ ہوئے بہشت کو سب مخلوق پر حرام کیا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الہی مجھے اس امت کا پیغمبر کر۔ ارشاد ہوا ان کا پیغمبر انہیں میں سے ہوگا۔ عرض کیا مجھے اس پیغمبر کی امت کر۔ حکم ہوا تو زمانے میں اس سے مقدم ہے وہ تیرے بعد آئے گا۔ ۱

قرآن مقدس کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں نے بھی حضور کی عظمت و جلالت، اللہ کا رسول اور پیغمبر ہونے کی گواہی دی ہے۔ مولانا نقی علی خاں علیہ السلام نے ابو نعیم، بحی السنہ، مطالع المسرات، تورات، یوحنا، مواہب الدنیہ وغیرہ آسمانی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں بھی حضور کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے اور حضور کی آمد کی پیش گوئی بھی کی گئی ہے۔ یوحنا جسے عیسائی لوگ چوتھی انجیل کہتے ہیں اس کا مندرجہ ذیل حوالہ دے کر مولانا نے ثابت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے حضور کی آمد کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ یوحنا میں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

”تمہارے لیے میرا جانا ہی سودمند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے گا، پھر اگر میں جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیجوں گا اور جب وہ آوے گا جہاں کو تو بیخ کرے گا اور الزام دے گا بسبب گناہ

کے کیونکہ وہ مجھ پر ایمان نہ لائے۔“ ۱

مولانا نے ثابت کیا ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں لفظ ”فارقلیط“ حضور اکرم ﷺ کے لئے آیا ہے۔ مولانا نے فارقلیط کی تشریح بڑی وضاحت کے ساتھ کی ہے جو مولانا کی زبردست وسعت علمی اور قابلیت کی مظہر ہے۔ مولانا کہتے ہیں:-

”فارقلیط یونانی لفظ ہے کئی معنی میں مشترک کہ سب ہمارے حضرت پر صادق ہیں۔ اول تسلی دینے والا دوم شفاعت کرنے والا، سوم وکیل، چہارم بہت سراہا گیا اور یہی معنی محمد ﷺ کے ہیں، پنجم بہت سراہنے والا کہ معنی احمد کے ہیں۔“ ۲

اصل انجیل مقدس عبرانی میں نازل ہوئی اور مولانا نقی علی خاں علیہ السلام نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اصل انجیل مقدس میں فارقلیط کی جگہ ”احمد“ ہی وارد ہوا ہے مگر متعصب ترجمہ نگاروں نے ترجمہ کرتے وقت تنگ نظری سے کام لیا اور ”احمد“ کا ترجمہ اپنی مرضی سے کر ڈالا یعنی یونانی ترجمہ نگاروں نے ”احمد“ کا ترجمہ فارقلیط کیا اور دیگر زبانوں کے مترجمین میں کسی نے ”تسلی دہندہ“ کسی نے ”شفیع“ اور کسی نے ”وکیل“ لکھا مگر صحیح ترجمہ جو قرآن مقدس کے مطابق یعنی ”بہت سراہنے والا“ ہے نہیں لکھا جبکہ 1871ء میں انجیل مقدس کے عربی ترجمہ میں بعینہ احمد ہی لکھا ہے۔

دوسرا باب ”شہرت متاخرہ“ کے عنوان سے ہے۔ اس میں مولانا نقی علی خاں نے سرور کون و مکاں ﷺ کی ولادت شریفہ کے بعد پیش آنے والے واقعات و حالات کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ اسی باب میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام، خلیفہ ہونا اور فتوحات و رعب و جلال کا بھی ذکر ہے اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بیان بڑے پراثر انداز میں کیا ہے۔ محبوب رب کائنات ﷺ بچپن میں فرزند ان حلیمہ کے ہمراہ مکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔

بکریاں چرانے میں جو کتنے پوشیدہ تھا اس کی وضاحت مولانا نے اس طرح کی ہے۔
 پروردگار نے بکریاں چرانے کی رغبت اس جناب کے
 دل میں اس لیے پیدا کی کہ یہ کام سیاست اور شفقت
 برضعفا امت اور صبر بر مشقت وغیرہ امور سے جن کی
 آپکو حاجت ہوتی تھی نہایت مناسبت رکھتا ہے اور آدمی
 کو تواضع اور انکسار سکھاتا ہے۔“ ۱

تیسرا باب ”حسن محمدی ﷺ“ کے عنوان سے ہے اس باب کو مولانا نے دو فصلوں
 میں تقسیم کیا ہے۔ اول فصل حسن ظاہری اور فصل دوم حسن باطنی کے بیان میں ہے۔
 اول فصل میں مولانا نقی علی خاں ﷺ نے حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے مختلف اعضاء کی
 خوبیاں و حسن انتہائی دلکش اور رنگین عبارت میں بیان کی ہیں۔ اس فصل کی ابتدا میں مولانا بریلوی نے
 حضور ﷺ کے حسن ظاہری کے بیان میں صحابہ کرام کے اقوال بیان کئے ہیں اور قرآن مقدس کی آیات
 پیش کی ہیں۔ اس باب میں مولانا نے اپنے قلم کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ قاری جھوم جھوم اٹھتا ہے۔
 حضور ﷺ کی مدح و ثنا میں الفاظ کا سمندر موجزن نظر آتا ہے اور جذبات کا سیلاب امنڈتا ہوا محسوس ہوتا
 ہے۔ مولانا بریلوی نے حضور ﷺ کے سرانور کی جو تعریف کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

سراسر سرالہی سے معمور، مخزن دانش شعور، سر دفتر دیوان سر
 بلندی، درۃ التاج فرق ارجمندی، قبلۃ انوار غیبیہ، خزانہ اسرار
 الہیہ، درج گوہر نبوت، برج سپہر رفعت، سب سے بلند و بالا،
 ہمسر اس کا دیکھا نہ سنا اور فرد رسالت اس سے پیدا، افر
 شفاعت اس پہ زیبا، سرفرازان عالم اسکی سرکار میں فرق ارادت
 زمین انکسار پر رکھتے ہیں اور سرشاران بادہ نخوت اس کے حضور

اپنی سرکشی اور خود سری سے توبہ کرتے ہیں۔

تاج خورشید ہمیشہ سے ہے اسی سے پور نور

بہر تسلیم جھکے رہتے ہیں سر اس کے حضور

فلک نیلگوں اس کی طلب میں سرگرداں ہے اور اوج گردوں

اس فرق ہمایوں پر قربان سروسر فرازا کی یاد میں بہار و خزاں

آزاد اور ہما۔ بے بلند پرواز اس کے ہوائے شوق میں خانماں

برباد، فرقہ فلک اس کی جناب میں سر بر زمین نیاز اور سہر سر

سر بلند اسکی قصر رفعت کا فرش یا انداز طائر تیز پرواز

عقل اس کے اوج سے بال و پر شکستہ اور سمند صبا گام خیال

اس کی تو صیف میں پائے خرام بستہ

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہ سوار کا

پہنچے کب اس تک بات ہمارے غبار کا

یا ایہا المشتاقون بنور جمالہ صلو علیہ وآلہ“ ۱

اس باب کی دوسری فصل حضور اکرم ﷺ کے حسن باطنی کے بیان میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضور
 کو ہزاروں ایسی خوبیاں عطا فرمائیں جن کا کوئی شمار نہیں اور نہ ہی کوئی ذی عقل ان سے واقف ہے۔
 جب دنیا کی تمام چیزوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا تو پھر حضور کے اوصاف کا شمار کس طرح ممکن ہے کہ سرکار
 ﷺ کا خلق دنیا سے عظیم تر ہے۔ مولانا نقی علی خاں ﷺ نے انسانی بساط کے مطابق حضور کے اخلاق و
 عادات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا نے حضور کی صداقت، عبادت، سخاوت، شجاعت،
 قناعت، عدالت، عادت وغیرہ سیرت کے مختلف گوشوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا حضور ﷺ کی قناعت کا ذکر
 اس طرح کرتے ہیں:-

”ایک روز ابن عمر سے فرمایا اے عمر کے بیٹے! میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا اگر میں خدا سے قیصر و کسریٰ کا ملک مانگتا بیشک مجھے عنایت فرماتا مگر میں ایک دن کھاتا ہوں تو دوسرے دن فاقہ کرتا ہوں۔ اے ابن عمر! کیا حال ہوگا جب تو ان لوگوں کو دیکھے گا کہ سال بھر کا کھانا جمع کریں گے اور یقیناً ان کے ضعیف ہو دیں گے۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ﷺ کو کو دیکھا کہ چٹائی پر لیٹے ہیں۔ نشان اس کا بدن مبارک پر بن گیا ہے اور چھوڑے کی چھال کا نگہ سر ہانے رکھا ہے۔ مجھے رونا آیا عرض کیا یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ کیسے ناز و نعمت میں ہیں اور آپ خدا کے رسول اس تکلیف و محنت میں ہیں فرمایا اے عمر! ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت“۔

چوتھا باب ”احسان نبوی“ کے عنوان سے ہے اس باب میں مولانا نے قرآن مقدس، احادیث مبارکہ اور دیگر الہامی کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اس عالم کا وجود آپ ﷺ کے طفیل سے ہے اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔ آپ تمام عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے یہاں تک کہ پیغمبروں کے لیے بھی آپ رحمت بن کر آئے۔ حضور ﷺ کے طفیل میں ہی امت محمدی کو تمام امتوں پر فضیلت و بزرگی حاصل ہوئی چنانچہ مولانا بریلوی فرماتے ہیں:-

”پروردگار عالم نے بطفیل آپ کے اس امت کو روز ازل بہترین امم لکھ دیا اور اس کا مرتبہ سب امتوں سے زیادہ کیا۔ ہزاروں کرامتیں اور نعمتیں آپ کے سبب سے ہم کو حاصل

ہوئیں اور لاکھوں شرافتیں اور بڑائیاں اس جناب کے صدقہ میں ہم کو ملیں بہشت ان کے سبب سے ہاتھ آئی اور دوزخ سے بوسیلہ ان کے رہائی پائی۔“۔

اس کتاب کا پانچواں اور آخری باب ”خصائص شریفہ“ کے عنوان سے ہے یہ باب پچھلے چاروں ابواب سے زیادہ طویل اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات، درود شریف کی فضیلت و اہمیت، دعا کے طریقے اور شرائط، عبادت کی قسمیں، فرائض نماز، کلمہ طیبہ کے فضائل وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے محبوبیت سے خاص فرمایا اور اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا۔ قرآن مقدس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی اہم بات اپنی طرف منسوب کی تو حضور کی طرف بھی اسے منسوب فرمایا۔ مولانا نے قرآن مقدس کی ایسی ابدان (52) آیتیں تحریر فرمائی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے محبوب کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسی باب میں آگے چل کر حضور کے اسمائے شریفہ کے معنی، عظمت و اہمیت انتہائی محققانہ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ مولانا نے صرف اسم محمد ﷺ کے بہت سے اوصاف بیان کئے ہیں اللہ نے لفظ محمود کو اپنے اور اپنے محبوب میں مشترک رکھا ہے محمد ﷺ کے معنی بکثرت اور بار بار تعریف کئے گئے ہیں یعنی اللہ اپنے محبوب کے برابر کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ اسی طرح روز محشر حضور ﷺ کی اس قدر مدح و ثناء فرمائیں گے کہ کسی مخلوق نے نہ کی ہوگی۔

نام مبارک محمد ﷺ چار حروف ہیں مولانا نے ثابت کیا ہے کہ اس چار حرفی اسم مبارک کی وجہ سے کائنات کا وجود ہے۔ مولانا بریلوی نے اس بات کو اس طرح ثابت کیا ہے:-

”اس نام مبارک محمد ﷺ میں چار حروف ہیں اور مقرب فرشتے بھی چار ہیں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام

اور پیغمبر صاحب شرائع بھی سوا حضرت کے چار ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور خلفائے راشدین بھی چار ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، حیدر رضی اللہ عنہم اور عمد عبادات مقصودہ بھی چار ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور سلسلہ حضرات صوفیا کے بھی چار ہیں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اور مجتہد امت کے بھی چار ہیں ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل۔ عناصر کہ ترکیب انسان کی ان سے ہے چار ہیں پانی، مٹی، آگ، ہوا۔ اور وجود ہر شے کا چار علتوں پر موقوف ہے علت مادی، علت صوری، علت فاعلی، اور علت غائی جہات عالم بھی چار ہیں شرق، غرب، جنوب اور شمال اور دریا بہشت کے بھی چار ہیں دریائے شہد، دریائے شیر، دریائے آب، دریائے شراب۔ بہشت کی نہریں بھی چار ہیں زمخلیل، سلسیل، ریحیق، تنیم۔ سدرۃ المنتہی کی جڑ سے بھی چار نہریں جاری ہیں نیل، فرات، سخان، صبحان اور فرض وضو کے بھی چار ہیں منہ دھونا، ہاتھ کہنیوں تک دھونا، پاؤں ٹخنوں تک دھونا، چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ روزہ میں بھی چار فرض ہیں نیت کرنا، جماع سے بچنا، کھانا نہ کھانا اور پانی نہ پینا اور غسل مسنون بھی چار ہیں غسل جمعہ، غسل احرام، غسل عید الفطر، غسل عید الاضحیٰ اور آٹھ بہشت چار سرا ہیں دارالنجو، ان، دارالخلد، دارالقام، دارالسلام اور چار باغ جنت الفردوس، جنت النعیم، جنت العدن، جنت الملوٰی اور لا الہ الا اللہ کہ حصن امان ہے اس میں بھی چار کلمے ہیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ مفتاح خزانہ قرآن ہے

اس میں بھی چار کلمے ہیں اور زکوٰۃ بھی چار قسم کے جانوروں میں جاری ہے۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا اور اٹھانے والے عرش کے بھی چار ہیں۔ اور نام مبارک حضرت کا قرآن میں چار جگہ وارد ہوا ہے۔ محمد الدرسول اللہ، ماکان محمد اباحد، و ما محمد الا رسول، نزل علی محمد۔ اور بنی آدم میں چار گروہ افضل ہیں۔ پیغمبر، صدیق، شہید، صالحین۔ اور صحت حج کی بھی چار باتوں پر موقوف ہے اسلام، احرام، عرفات میں کھڑا ہونا، وقت پر حج کرنا۔ اور جو کلمات خدا کو بہت پیارے ہیں وہ بھی چار ہیں سبحان اللہ، والحمد للہ، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر۔“ ل

عام خیال یہ ہے کہ محبوب خالق کائنات کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل نام پاک محمد ﷺ کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ مولانا علی علی خاں نے اپنی تصنیف میں یہ انکشاف کیا ہے کہ لوگوں نے یہ سن کر کہ محمد ﷺ نام کے نبی آخر الزماں تشریف لانے والے ہیں اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے جن لوگوں نے یہ نام رکھے مولانا نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اس طرح ہے۔

”یہ نام مبارک ازل سے آپ کے لیے خاص ہے مگر بعض لوگوں نے یہ بات سن کر کہ زمانہ نبی آخر الزماں کا قریب ہے اور نام پاک ان کا محمد ہوگا اپنی اولاد کا نام محمد رکھا اور عجائب قدرت الہی سے یہ کہ ان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کا نہ کیا۔ منہم محمد بن عدی و محمد احمہ اور محمد بن اسماء اور محمد بن برآ، محمد بن حارث، محمد بن خزاعی، محمد بن خولی و محمد بن یحمد و محمد بن قصمی و محمد بن مسلمہ و محمد بن فرمان و

محمد بن حرمان یعنی ان میں محمد بن مسلمہ اور محمد بن براء مسلمان

ہیں اور محمد بن عدی کے اسلام میں اختلاف ہے۔“ ۱

مولانا علی خاں نے اس باب میں تصوف کے بعض مسائل اور مشکل اصطلاحات بہت صاف اور سادہ زبان میں بیان کئے ہیں جو اردو زبان میں اس سے قبل دیکھنے کو نہیں ملتے۔ تصوف کے بعض مسائل سوال و جواب کی صورت میں حل کر کے ان کی وضاحت کی ہے۔ اپنے تفویض، خواہش، آزادی، ریاضت نفس، نصب، تجرید و تفرید وغیرہ اصطلاحات تصوف کی وضاحت کی ہے اپنے تجرید و تفرید کے مندرجہ ذیل چھ معنی بیان کئے ہیں:-

تجرید و تفرید:- معنی اول:- تجرید یہ ہے کہ جو اس وقت تیرے پاس ہو اس سے کنارہ کر اور تفرید یہ ہے کہ فردا کی فکر میں دل کو مشغول نہ رکھ۔

معنی دوم:- تجرید یہ ہے کہ خلق سے جدا رہے اور تفرید یہ ہے کہ اندیشہ، اغیار اور آخرت اور دنیا کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کرے۔

معنی سوم:- تجرید یہ ہے کہ غیر کا نام زبان پر نہ لاوے اور تفرید یہ ہے کہ اندیشہ غیر دل پر حرام کرے۔

معنی چہارم:- تجرید اور تفرید یہ ہے کہ کم بولے اور کم سوئے و کم کھائے کہ بہت بولنا ذکر سے اور بہت سونا فکر سے باز رکھتا ہے اور بہت کھانا دل پہ سستی اور گرانی اور قویٰ میں کاہلی پیدا کرتا ہے۔

معنی پنجم:- تجرید یہ ہے کہ علائق کو چھوڑے اور تفرید یہ ہے کہ اپنے نفس سے علاقہ نہ رکھے۔

معنی ششم:- تجرید طہارت ظاہر اور تفرید طہارت باطن سے عبارت ہے اور یہ سب معانی اس جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کو بلفظ نصب تعبیر کرنا واسطے بیان سختی اور صعوبت کے ہے۔ یہ سب باتیں کہنے میں آسان ہیں اور کرنے میں دشوار ہیں کہ یہ کام جان و دل سے ہوتے ہیں اعضا یہاں بیکار ہیں۔

مولانا نے ”آزادی“ کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں

”آزادی بندگی کو کہتے ہیں جو بندہ نہیں آزاد نہیں، شاد نہیں

طوق بندگی جن کی گردن میں ہے وہ خواہ وہ سردار و عالم ہیں

جو خدا کا ہو جاتا ہے تمام عالم میں حکم اس کا جاری ہوتا ہے۔“ ۱

آگے چل کر مولانا علی خاں نے یہ بتایا ہے کہ اتباع شریعت ہی اصل چیز ہے جو لوگ اس کی اہمیت کو گھٹانے یا نظر انداز کرنے والی ذہنیت رکھتے ہیں انہیں ہدایت کی روشنی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی کچھ نام نہاد صوفیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو صوفی حقیقت تک پہنچ گیا اس کو شریعت کی ضرورت نہیں۔ مولانا کا خیال ہے کہ یہ انداز انتہائی گمراہ کن ہے اتباع شریعت کے بغیر منزل تک پہنچنے کی تمنا کرنا سراسر خود فریبی ہے ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا بربیلوی کہتے ہیں:-

”اے عزیز، طلب طریقت کی بے شریعت ایسی ہے جیسے کوئی شخص

بے سیڑھی کوٹھے پر چڑھنا چاہے۔ پس جو لوگ خلاف شریعت

پر اصرار کرتے ہیں اور وقت مواخذہ اور اعتراض کے کہتے ہیں

کہ شراب پینا، ناچ دیکھنا، رنڈی لونڈی کے ساتھ خلوت میں

بیٹھنا سر پر عورتوں کی طرح چوٹی رکھنا شریعت میں منع ہے

ہم لوگ اہل طریقت ہیں ہم کو پیروی شریعت کی ضروری نہیں

قرآن و حدیث اہل شرع پر حجت ہیں ہم کشف و الہام سے مطلب

کو دریافت کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے دین اور ایمان کو برباد

کرتے ہیں اور شیطان کے دام فریب میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ہر مطلب کی ایک راہ مقرر ہے بے اتباع شریعت طریقت حاصل

نہیں ہوتی اور بے پیروی محمد ﷺ کے کوئی دولت ہات نہیں آتی

اگر یہ دولت، محنت اور ریاضت بے اتباع شریعت ہات آتی برہمنوں

اور جوگیوں کو بھی حاصل ہوتی۔“ ۲

اس طرح ”الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح“ مفتی تقی علی خاں

ؒ کی معرکتہ الارا تصنیف ہے جس میں قرآن شریف کے رموز و نکات، احادیث کی تشریح، فقہی جزئیات اقوال ائمہ و محدثین اور دیگر مذاہب کی کتب سے سیرت رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات اور اسلام کی حقانیت و وحدانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مولانا تقی علی خاں نے یہ کتاب عوام الناس کے فائدے کے لیے تصنیف کی اس لیے اس کا اسلوب نگارش اس زمانہ کے مروجہ طرز تحریر کے مقابلہ میں بہت سادہ اور سلیس ہے۔ آپ کی تحریر میں شگفتگی اور دلکشی ہے۔ مولانا بریلوی نے الفاظ سوچ سمجھ کر جمع نہیں کئے ہیں بلکہ بے تکلف جو دل سے نکلا اسے زبان سے ادا کر دیا جس سے جملوں میں تناسب اور موزونیت خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔ آپ کی عبارت میں نہ تو بے ربطی ہے اور نہ پھیکا پن ہے۔ آپ نے ادق سے ادق علمی و مذہبی مسائل کو فصیح و بلیغ اور سادہ زبان میں ادا کر دیا ہے۔

تفسیر سورہ الم نشرح کے مطالعہ سے ہی مولانا تقی علی خاں کے بحر علمی، دقت نظر،

اور وسعت ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے اس کتاب میں اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مقدس، احادیث مبارکہ اور دیگر مذہبی کتب کے حوالے دیئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کو اردو، عربی و فارسی پر کامل عبور حاصل تھا۔

مولانا تقی علی خاں ؒ نے جابجا موقع اور محل کی مناسبت سے اردو، فارسی و عربی کے اشعار بھی تحریر کئے ہیں جس سے عبارت کی خوبصورتی اور دلنشینی میں اضافہ ہوا ہے۔ آپ نے زمانے کے دستور اور معیار کے مطابق مقفی و مجمع عبارت کا بھی استعمال کیا لیکن ایسی عبارت قاری کے ذہن پر بوجھ بننے کی بجائے اس میں ایک لطیف آہنگ، بلیغ موسیقیت اور دل آویز ترنم پایا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے مقفی عبارت میں حضور اکرم ﷺ کے ابروئے مبارک کی تعریف جس والہانہ انداز میں کی ہے اس کی مثال اردو ادب میں مشکل سے ملے گی۔ مثال کے طور پر عبارت ذیل درج ہے:-

”لوح جبیں کے قریں، مطلع نجم سعادت، موج بحر لطافت
ہلال ماہ عید، طاق خانہ خورشید، مہ تسمیہ صباحت، حرم حریم
ملاحت، بیت حمد کبریا، جوہر آئینہ مصفی، سفینہ نجات نوح
کلیہ ابواب فتوح۔ فلک پیر خم اس محراب کعبہ کے گرد طواف
کنناں، اور ہلال عید اس طاق حرم پر جان و دل سے قرباں۔
دل زاہد اس گوشہ عافیت میں چلہ نشیں اور کماند فلک اس کے
حضور سر بر زمیں۔ تیر قضا اس کے اشارہ پر چلتا ہے اور سینہ ماہ
دو ہفتہ اس کے تیر محبت سے خستہ ہے۔“

نام کتاب	:	سرور القلوب فی ذکر المحبوب
سن تصنیف	:	۱۲۸۲ھ مطابق 1865ء
اشاعت اول	:	۱۲۸۸ھ مطابق 1871ء
اشاعت دوم	:	1918ء مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
اشاعت سوم	:	۱۳۰۵ھ مطابق 1985ء بشیر برادر زلاہور
اشاعت چہارم	:	رضا اکیڈمی بمبئی
اشاعت پنجم	:	فاروقیہ بکڈ پو جامع مسجد دہلی
شخامت	:	تین سواڑ سہ صفحات اشاعت پنجم۔

مولانا تقی علی خاں کی یہ تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ حضور سید عالم ﷺ کے اوصاف جمیلہ، کمالات جلیلہ اور سیرت طیبہ پر مبنی آپ کی واحد تصنیف ہے جو آپ کی حیات میں

ہی شائع ہوئی۔ روہیلکھنڈ میں اس موضوع پر تصنیف کی اولیت مولاناقلی علی خاں کو حاصل ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے 1871ء میں مولانا کی حیات میں شائع ہوئی اور زبردست مقبولیت حاصل کی۔ اس کے بعد یہ کتاب عرصہ تک نایاب رہی۔ دوسری بار سینتالیس سال بعد 1918ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوئی اور تیسری بار سرسٹھ ۶ سال بعد 1985ء میں شبیر برادرز لاہور نے شائع کی جس سے اس کتاب کی افادیت اور مقبولیت کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل نوابوں پر مشتمل ہے۔

- | | | |
|---|---|--|
| ☆ | ۱ | نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت اور دیگر احوال۔ |
| ☆ | ۲ | آیہ کریمہ و رفعنا لک ذکرک کی تفسیر |
| ☆ | ۳ | آیہ مبارکہ و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین کی تفسیر |
| ☆ | ۴ | حضور سید عالم ﷺ کا حسن ظاہری |
| ☆ | ۵ | حسن معنوی و باطنی |
| ☆ | ۶ | خصائص شریفہ |
| ☆ | ۷ | معراج شریف |
| ☆ | ۸ | معجزات |
| ☆ | ۹ | درد و شریف کی اہمیت، اس کے فوائد۔ نام پاک ﷺ من کر درد و شریف نہ پڑھنے والوں کی مذمت اور درد پاک کی برکتیں۔ |

کتاب کی ابتدا میں مولاناقلی علی خاں کے ہم عصر اور مشہور و معروف مصنف و شاعر نواب نیاز احمد خاں ہوش نبیرہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کی باوقار تقریظ ہے جس میں ہوش صاحب نے مولاناقلی علی خاں کی وسعت ذہنی، تبحر علمی اور کتاب ہذا کی زبان و بیان اور کتاب کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ نواب صاحب کہتے ہیں

”فی الحال نخل کمال سے ایک گل تازہ کھلا، چمن علم فصاحت و بلاغت بھی پھولا پھلا یعنی انہوں نے نسخہ باب و تاب موسوم بہ لب لباب معروف بہ ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ یہ رنگ برنگ کے مضامین رنگینی سے میدان بیان کو جلت وہ باغ رضواں بنا دیا ہے۔ گلہائے وعظ و پند کی شگفتگی سے عین الیقین ہوتا ہے کہ یہ کتاب جواب گلستاں بلکہ رنگینی عبارت کی شگفتگی سے کھلتا ہے کہ واقعی عین گلستاں ہے نزہت اور شگفتگی میں سراسر ہم پلہ بوستاں ہے لفظوں میں ہزار ہا معنی مناسب رنگ برنگ کے پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ مردم دیدہ بھی جن کے دیکھنے سے ہر دم تروتازگی پاتے ہیں۔ ہزار ہا وقائع و نکات علمیہ سے یہ کتاب بھری ہے یا شجرہ علم کی کلی ہے۔ اہل اسلام کی نظر میں ہر باب اس کا غیرت افزائے جناب ہے۔ اس کے ہر فصل پر بلا مبالغہ فصل بہاری کا گمان ہے۔ ہوائے مطالعہ اس کی بد اعتقادوں کے چمن طبع کیلئے سر بسر ضرر ہے۔ خوش اعتقادوں کو اس کی سیر گلشت فردوس کے برابر ہے۔ حاسدوں کا غنچہ بنی اسے دیکھ کر مر جھاتا ہے۔ گل طبع میں صم بگم کا رنگ نظر آتا ہے

کیوں نہ پڑمردہ گلہائے مضامین عدو

باغ حاسد کے لیے باد خزانہ یہ ہے ۱

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ہدایت علی ہدایت بریلوی کی تقریظ ہے۔ ہدایت علی مولاناقلی علی خاں کے ہم عصر اور اپنے زمانے کے جید عالم مصنف اور مشہور زمانہ شاعر تھے۔ مولانا ہدایت علی

بریلوی مولاناقلی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی توصیف میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

”مجمع مکارم و اخلاق منبع جو دو اشفاق قبول بارگاہ رب العالمین
مداح سید المرسلین، ہادی امت رسول خدا، بحر مواج علم صدق و صفا
افضل علمائے زمان مولوی محمد تقی علی خاں ابن مولوی محمد رضا علی خاں
مرحوم بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبان قلم لال ہے۔ انسان
سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے“ ۱۔

اشاعت سوم میں تقریضات سے قبل جامعہ نظامیہ، رضویہ لاہور کے جناب محمد عبدالحکیم شرف
قادری نے صاحب تصنیف مولاناقلی علی خاں کے مختصر حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر بڑے دلنشین
انداز میں کیا ہے۔ اسی تیسرے ایڈیشن میں ”مہر و ماہ“ لاہور کے ایڈیٹر جناب فدا حسین فدا نے کتاب کی
نئے سرے سے پیراہندی کی ہے اور قدیم انداز بیان کو نئے قالب میں پیش کیا ہے۔ اس طرح مولاناقلی
علی خاں کا اصلی انداز بیان اور طرز تحریر کتاب کی اول دوم اشاعتوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کتاب کا پہلا
اور تیسرا دونوں ایڈیشن دستیاب ہوئے ہیں۔

سرور و جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی محبت تمام محبتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اس عالم فانی کی تمام محبتیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں۔ سرور کو دن و مکان کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔ اس کتاب کے
مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مولاناقلی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان
کے یہاں اسوہء سرکار و جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تقلید اور عشق رسول کی سچی تڑپ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
آپ کی تصنیفات میں معارف قرآن و حدیث، اسرار عشق و معرفت اور زبان و بیان کی دلکشی پوری آب و
تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں اپنے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ، اعمال و کردار،
فضائل و اخلاق اور اسوہء حسنہ کا بیان نہایت عقیدت و محبت سے کیا ہے جس کی مثال نایاب نہ سہی کم یاب

ضرور ہے۔

مولاناقلی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں میں عشق
رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرنے کی کوشش میں اپنی زندگی صرف کی اور امت کو محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و
مرتبہ سے آگاہ کیا اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہوئے۔

مولاناقلی خاں کی تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ کا پہلا
باب ”ولادت باسعادت“ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں مولانا نے تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی
ولادت باسعادت، بچپن، رضاعی والدہ، رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ تعلقات وغیرہ کا ذکر انتہائی
عقیدت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ ساتھ ہی مولانا نے احادیث مبارکہ اور مستند مذہبی کتب کے حوالوں
سے ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لاتے ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اپنی امت کی بخشش
چاہی۔ اس سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں:-

”ابن عباس کہتے ہیں اول کلمہ جو زبان فیض ترجمان سے نکلا یہ
تھا ”اللہ اکبر کبیر أو الحمد لله کثیر أ سبحان الله بکر تا
واصیلاً“ قسطنطینی اور ابو نعیم روایت کرتے ہیں کہ بعد ولادت
کے آپ نے خدا کو سجدہ کیا اور انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھا
کر فرمایا لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ سوائے خدا کے کوئی
معبود نہیں بیشک میں خدا کا رسول ہوں۔ بعض روایت میں ہے
جناب الہی میں عرض کیا یا رب ہب لی امتی۔ خدا یا میری
امت مجھے بخش دے۔ خطاب ہوا و ہبتک امتک باعلیٰ
ہمتک۔ میں نے تیری امت بسبب تیری بلندی و ہمت کے
مجھے بخشی۔“ ۱۔

محبوب خداوند عالم سے بچپن میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں ان کا بھی مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بہت موثر انداز میں بیان کیا ہے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس باب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا بھی ذکر کیا ہے۔ آقائے نامدار رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی قوم کی گمراہی اور انکار پر افسوس فرماتے تو اللہ تعالیٰ جبریل امین کے ذریعہ وحی نازل فرماتا اور آپ کو تسلی اور توفیق دیتا اور آپ کے مخالفین اور دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کا وعدہ فرماتا اسی وعدہ الہی کے مطابق تھوڑے ہی عرصے میں آپ کے بڑے بڑے دشمن عذابیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوئے۔ ایسے دشمنان رسول کے ساتھ کیا معاملات پیش آئے ان میں سے کچھ کا ذکر مولانا نے اس طرح کیا ہے:-

”بڑے دشمن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرح طرح کے عذابیوں اور مصیبتوں کے ساتھ واصل جہنم ہوئے ابو جہل، عقبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ وغیرہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور ابی بن خلف کہ بڑا دشمن حضرت کا تھا آپ کے ہاتھ سے احد کے دن زخمی ہوا یہ زخم جو شخص دیکھتا کہتا کاری نہیں ہے۔ جواب دیتا اے نادان! یہ زخم اس کے ہاتھ کا ہے کہ تمام کافروں کے بدن پر ہلکا سا چرکا لگا دیں ایک بھی زندہ نہ بچے گا

اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے زندہ نہ رہتا آخر دوزخ کو راہی ہوا۔ ام جمیل لکڑیوں کا گٹھاسر پر اٹھائے آتی تھی کہ رسی اس کے گلے میں پڑ گئی اور گٹھا لٹک گیا ہر چند تدبیر کی نہ نکل سکا۔ آخر گلا گھٹ کر اور تڑپ تڑپ کر مر گئی اور شوہر اس کا ابو لہب رضی اللہ عنہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا

تین رات دن پڑا رہا یہاں تک کہ نعرہ اس کی سڑ گئی چوتھے دن مزدوروں نے دفن کر دی۔“ ۱

کتاب کا دوسرا باب ”ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر“ کے عنوان سے ہے۔

یہ آیہ مبارکہ سورہ الم نشرح کی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر کی گئی بے انتہا عنایتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک ہے ورفعننا لک ذکرک (ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند فرمایا) اللہ تبارک تعالیٰ نے سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منصب اور مقامات عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے ذکر پاک کو وہ بلندی و درجات عطا فرمائے کہ قیامت تک کوئی اس کا ہسر نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے نہ صرف آپ کا ذکر بلند فرمایا بلکہ آپ کو بلندی و مرتبہ کا مالک بھی بنایا۔ جس کو چاہیں آپ بلند فرمائیں اور جس کو دھتکار دیں اس کی دنیا و عاقبت دونوں غارت ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں اعلان فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کا ذکر محبوب کی خاطر بلند فرمایا ان میں سے بعض کا ذکر مولانا نقی علی خاں نے کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:-

”حضرت جل جلالہ و عم نوالہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے اور اونچا ہم نے تیرے لیے ذکر کیا ہے اور تیرا نام اپنے نام کے ساتھ اذان اور اقامت اور نماز اور خطبہ اور کلمہ اور کلمہ شہادت، بلکہ عطیہ اور ذبح کے سوا ہر معاملہ اور طاعت میں نزدیک کیا اور بہشت کے ہر قصر و غرفہ اور دیوار اور دروازہ اور پردہ اور ساق عرش معلیٰ اور اوراق سدرة المنتہی پر لکھا۔ ساتوں آسمانوں میں کوئی مکان نام نامی سے خالی نہیں۔ جس جگہ لا الہ مسطور ہے محمد رسول اللہ بھی ضرور ہے۔ قرآن مجید میں جس جگہ کوئی امر اپنی طرف نسبت کیا وہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی یاد فرمایا تمام عالم کی طرف آپ کو مبعوث کیا اور اپنی محبت و اطاعت کو آپ کی اطاعت و محبت پر موقوف رکھا۔ ایمان بغیر آپ کی تصدیق کے مکمل نہیں ہوتا لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہے جب تک محمد رسول کو نہ مانے کچھ کام نہیں آتا بلکہ آپ کی یاد عین خدا کی یاد ہے۔“ ۱

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں مولانا نے آگے بتایا ہے کہ حضور ﷺ کے پیغمبر ہونے کی پیشگوئی تورات کے علاوہ دیگر انبیائے کرام نے بھی فرمائی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کے بعد اسی پیشگوئی کی بنیاد پر کئی یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:-

”جب حضرت پیغمبر ہوئے بعض یہود آپ کے حالات تورات اور انبیاء کے ارشادات سے مطابق دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔“ ۲

تیسرا باب ”وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین کی تفسیر“ کے عنوان سے ہے اس آیت کی تفسیر میں مولانا علی علی خاں لکھتے ہیں:-

”اے عزیز! عالم امکان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ آپ کی رحمت سے مستفیض نہ ہو کمالات موجودات کے وجود پر مفرغ ہیں اور وجود عالم کا آپ کے طفیل سے ہے اگر آپ نہ ہوتے عالم نہ ہوتا۔“ ۳

بلاشبہ سرکار کی ذات اقدس سراپا رحمت ہے آپ نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ جن وانس، مومن و کافر کے لئے یہاں تک کہ کائنات کی ہر شے کیلئے حسب حال رحمت ہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کی رحمت سے محروم ہو۔ ملا علی قاری سرکار کائنات ﷺ کی رحمت عامہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ، شرف، کرم کا وجود اقدس تمام مخلوق خدا کے لیے رحمت ہے کیونکہ حقیقتاً عالمین کا اطلاق اللہ کی ذات کے سوا ہر شے پر ہوتا ہے اور یہاں بالاتفاق کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں جو اس کے اطلاق کے منافی ہو۔“ ۱

مولانا علی علی خاں نے حضور اکرم ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

جبریل امین کا رحمت سے حصہ:- ایک روز آپ نے جبریل امین سے پوچھا خدائے تعالیٰ نے مجھے رحمۃ اللعالمین کیا تمہیں میری رحمت سے کیا فائدہ ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے انجام سے ڈرتا تھا جب آپ پر قرآن اترا اور پروردگار نے اس میں میری تعریف کی ذی قوۃ عند العرش مکین مطاع ثم امین خوف میرا زائل اور اپنی حسن عاقبت پر مجھے اطمینان حاصل ہوا۔

پیغمبروں کا رحمت سے حصہ:- پیغمبروں کا آپ کی ذات پاک سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ اور آپ کے پیروان کی تصدیق کرتے ہوئے قیامت کے روز انکی گواہی دیں گے اور انکی تصدیق اور دشمنوں کی تکذیب کریں گے۔

فرشتوں کو رحمت سے فائدہ:- فرشتوں کو یہ فائدہ ہوا کہ آپ پر درود بھیجتے ہیں اور بسبب اس کے رحمت الہی کے مورد ہوتے ہیں۔

کافروں کو رحمت سے فائدہ:- کافروں کے حق میں آپ کی رحمت یہ ہے کہ بسبب آپ کے استیصال سے محفوظ رہے اگلے پیغمبروں کے وقت میں جو لوگ کفر و شرک کرتے فوراً ہلاک ہو جاتے

چوتھا باب ”جمال مصطفیٰ ﷺ“ کے عنوان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ

کی ذات مبارکہ کو کمالات و درجات باطنی کے ساتھ ساتھ بے مثال حسن ظاہری بھی عطا فرمایا۔ دنیا کے تمام حسینوں کا حسن و جمال آپ کے در کا صدقہ ہے یہاں تک کہ حسن یوسف بھی سرکار ﷺ کے حسن کا ایک جز ہے۔

اس باب میں مولانا تقی علی خاں ﷺ نے خاتم المرسلین ﷺ کے سرانور سے ناخن پائے اقدس تک تمام اعضاء مبارک کی خصوصیات کا ذکر انتہائی والہانہ انداز میں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا تقی علی خاں نے قرآن مقدس کی آیہ مبارکہ یا ایہا النبی انارسلنک شہاد و مبشر او نذیر او داعی الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً کی تفسیر پیش کی ہے۔

سراجاً منیراً کے معنی بعض مفسرین نے ”روشن چراغ“ اور بعض نے ”روشن آفتاب“ سے تعبیر کئے ہیں مولانا نے دونوں معنوں کے فضائل و فوائد بیان کئے ہیں۔ ”چمکتا چراغ“ کے مولانا نے چار فائدے بیان کئے ہیں پہلا فائدہ یہ کہ حضور کے وجود ذی جود سے کفر و شرک کی تاریکی دور ہوئی اور تمام عالم نور ایمان و عرفان سے منور و روشن ہو گیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس دل میں حضور کی محبت کا چراغ روشن ہوتا ہے شیطان اس پر قابو نہیں پاتا۔ تیسرے یہ کہ آپ کی محبت کا نور تاریک دل کو روشن کرتا ہے اور چہارم یہ کہ جس گھر میں چراغ ہوتا ہے وہاں جی نہیں گھبراتا اس طرح جس دل میں حضور ﷺ کی یاد ہے غم و الم اس کے پاس نہیں آتا۔

”روشن آفتاب“ کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں۔

”جس طرح سورج کا نور تمام عالم میں محیط ہے اسی طرح سارا جہاں آپ کے نور سے منور ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ نے ستاروں کو مسافروں کی رہنمائی کے لئے بنایا اور آفتاب اس بات میں ان سے ممتاز فرمایا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو

گمراہوں کے واسطے بھیجا اور ہمارے حضرت کو اس بات میں اور تمام فضائل و کمالات میں ان سے افضل و اکمل کیا۔“ ۱

مولانا نے آگے چل کر محبوب خالق کائنات ﷺ کے سراپا کی جمال آفرینی، کمال حسن کی بلندیوں، دلکشی، جاذب نظری، حسن و جمال کی رعنائیوں کا ذکر جس عقیدت و محبت سے کیا اس کی مثال مشکل ہے۔ مولانا نے حضور ﷺ کے روئے انور کا ذکر کس لطیف انداز میں کیا ملاحظہ ہو۔

”روئے روشن زلف سیاہ میں نمایاں ہے یا نور بصر مردک چشم سے درخشاں، ماہ دو ہفتہ پر نور عارض سے تاباں شمس باز غدا اس کے مدرسہ تنویر میں شمس خواں لعل بدخشاں کا اس کی رنگینی سے دم فنا اور گلستان ارم کا صرصر فحالت سے رنگ ہوا۔ اس عارضہ پر نور کے عشق میں رنگ رخسار سحر فق ہے اور سینہ ماہ شق مرآت خیال کو سکتہ، چراغ صبح سسکتا، مطبخ گلزار سرد، رنگ شفق زرد، دل شبنم افسردہ، روئے گل پڑ مردہ، دربار گریاں، مرجان بے جان، آئینہ حیران، خورشید سرگرداں، شمع چراغ سحر، عقیق خون در جگر، لالہ خونین کفن، قمری طوق غم بہ گردن، یا قوت بے دم، لعل زیر بار غم، ید بیضا دست ہر دل، قدر بے تیغ بسمل بلبل کو اس گلستان خوبی کی یاد میں سبق بوستاں فراموش اور مرغ چین اس گل رنگیں کے شوق میں روز و شب نالاں، مدہوش آئینہ حلب پر اگر وہ سر عرب عکس انگن ہو سوز محبت سے گل جائے اور ورق گل پر اگر وصف عارض رنگیں زیب رقم ہو

بہرہن میں پھولانہ سائے۔“ ۱

کتاب کا پانچواں باب ”سیرت مصطفیٰ ﷺ“ کے عنوان سے ہے اس میں مولانا نے سرکار رسالت مآب ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے حضور سرور عالم ﷺ کا خلق و محاسن و افعال متاع دنیا سے عظیم تر ہے۔ آپ کا زہد، عفت و حیا، خوف خدا، رحم و کرم، شجاعت و عدالت، قناعت و صداقت، سخاوت و صبر و شکر، تواضع و تقویٰ، کلام و روش، نشست و برخاست، قول و فعل وغیرہ سب بے نظیر تھے۔ آپ کا ہر فعل عبادت تھا۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، دعا سلام وغیرہ سب خدا کے لئے تھے۔ آپ کا کوئی کام خدا سے مانع نہ تھا۔

مولانا نقی علی خاں نے آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے انہیں سب پہلوؤں کا ذکر انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا نے متعدد مثالوں کے ذریعہ بتایا ہے کہ سرکار ﷺ کے خلق عظیم کے کافر و مشرک بھی قائل تھے اور کچھ مشرکین سرکار ﷺ کے خلق سے متاثر ہو کر ایمان بھی لائے۔

اسی باب میں مولانا نقی علی خاں نے حضور ﷺ کی پسند و ناپسند کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ سرکار ﷺ اور اللہ کے نزدیک تمام عبادتوں میں افضل نماز ہے۔ خود سرکار ﷺ اس عبادت کو بہت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور تمام عبادتوں سے زیادہ آپ کو نماز سے خوشی حاصل ہوتی تھی۔ جب آتش شوق سینہ میں بھڑکتی تو آپ نماز مشغول ہو جاتے۔ اس موقع پر مولانا نقی علی خاں مسلمانوں کو نماز کی تاکید بھی کرتے ہیں۔ مولانا نماز کی تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

”اے عزیز! نماز بارگاہ بے نیاز اور مقام مناجات دراز ہے۔

بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں۔ اے فرزند آدم! جب تو بے استیذان

خدا کے حضور جائے اور بے ترجمان اس سے کلام کیا چاہے

تو اچھی طرح وضو کر کے محراب میں داخل ہو اگر مصلیٰ جانے کس

کے حضور بلایا جاتا ہوں دنیا و متاع دنیا ایک نماز کے شکرانے

میں تصدق کرے۔ مناویان حضرت اعلیٰ ہر روز پانچ بار تجھے اس

کے حضور بلا تے ہیں حیسی علی الصلوٰۃ حیسی علی الفلاح

اور تو ایک بار بھی نہیں جاتا۔ قیامت کو اگر دریا خون کے آنکھ

سے بہائے گا ایک رکوع اور سجدے کی اجازت ندیں گے۔“ ۱

آگے چل کر مولانا نے نماز کے کچھ مسائل بھی بیان کئے ہیں اور نماز کی اہمیت و افادیت قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے ثابت کی ہے۔

سرکار کائنات ﷺ کے خلق عظیم کے بہت سے واقعات مولانا نے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک کا ذکر پیش ہے۔

”جس یہود نے آپ کو زہر دیا تھا جب اس نے اقرار کیا کہ

میں نے آپ کے قتل کے لئے یہ حرکت کی تھی صحابہ نے

اسے قتل کرنا چاہا آپ نے چھوڑ دیا۔“ ۲

کتاب کا چھٹا باب خصائص مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں مولانا نقی علی خاں نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے خصائص شریفہ کا بیان بہت مفصل اور مدلل انداز میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تاجدار کائنات ﷺ کو تمام خلق سے زیادہ مخصوص فرمایا اور سب پیغمبروں کی صفات حضور میں جمع فرما کر اپنی خاص مہربانیوں سے مجملہ فرمایا۔ اس باب میں مولانا نے سرکار کے خصائص میں سے صرف بارہ خصائص کا ذکر انتہائی ندرت کے ساتھ کیا ہے۔ بارہ خصائص کا اجمالی ذکر اس طرح ہے:-

خاصہ اول محبوبیت:- اس ضمن میں مولانا نے بتایا ہے کہ سرکار ﷺ سے جن فرشتے بلکہ

وحشی و طیر محبت کرتے ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ نے روز ازل

سے بد نصیب کیا اور جہنمی لکھ دیا۔ خلق کا ذکر کیا خود خالق کون و مکان آپ سے محبت رکھتا ہے اور اس محبت میں ہی آپ کے شہر و وطن اور آپ کی زندگی کی قسم کھاتا ہے اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی محبت کا اپنی محبت کے ساتھ، حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، سرکار ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا اور سرکار ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ یہاں تک کہ سرکار ﷺ کے فرمانبردار کو اپنا محبوب فرمایا۔

خاصہ دوم رسالت عامہ:- اس میں مولانا تقی علی خاں نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ جن و انس پر مبعوث تھے۔ اسی لئے آپ کو رسول الثقلین کہتے ہیں۔ تمام جمادات، نباتات آپ کی اطاعت و تصدیق کرتے ہیں۔

خاصہ سوم:- سرکار کائنات ﷺ کے کثرت اسماء کثرت صفات پر دلالت کرتے ہیں اس میں مولانا نے حضور کے نام اقدس محمد ﷺ کے صفات شریفہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو مولانا کی زبردست وسعت علمی پر دلالت کرتا ہے

خاصہ چہارم عبد یا بندہ ہونا اس سلسلہ میں مولانا تقی علی خاں نے سرکار ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ ”میں بادشاہ پیغمبر ہونا نہیں چاہتا بلکہ بندہ پیغمبر ہونا چاہتا ہوں“ پروردگار نے آپ کو عبد اللہ فرمایا انبیاء کے مقابلہ میں اللہ ﷻ نے آپ کو نعم العبد اور عبد اشکور فرمایا۔

خاصہ پنجم سرکار ﷺ کا جسم اطہر سراپا اعجاز تھا۔ آپ کے پسینہ سے مشک کی خوشبو

آتی بالوں سے خوشبو کی لپیٹیں نکلتیں ان کو دھو کر بیماروں کو پانی پلانے سے فوراً شفا ہوتی۔

حوض کوثر۔ قیامت کے دن ہر پیغمبر کو اپنی امت کے لئے حوض عنایت ہوگا مگر سرکار کو حوض کوثر عنایت کیا جائیگا اس میں دو پرنا لے بہشت سے آتے ہو گئے یہ سرکار رسالت مآب ﷺ کے لیے ہی مخصوص ہوگا۔ مولانا نے یہاں حوض اور حوض کوثر کے امتیاز پر مدلل بحث کی ہے۔

امی لقب۔ اس خاصہ پر مولانا تقی علی خاں نے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ امی منسوب بالکتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے نہ کسی سے پڑھا نہ کسی سے لکھنا سیکھا بلکہ سب علم لوح محفوظ سے حاصل کیا۔

طے کا روزہ (روزہ پر روزہ رکھنا) اس سلسلہ میں مولانا تقی علی خاں رقم طراز ہیں:

”روزہ۔ طے کا یعنی روزہ پر روزہ رکھنا آپ کے لئے خاص ہوا۔ اور کوئی رکھنا چاہتا منع کرتے اور فرماتے میں تم جیسا نہیں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں۔ وہ مجھے کھلا دیتا ہے پلا دیتا ہے۔ اور حقیقت رات کے وقت پروردگار کے پاس ہونے اور اس کھانے پینے کی یادہ جانتے ہیں یا ان کا خدا۔“

آپ اول مخلوقات اور اسبق موجودات ہیں اور سب کی شفاعت

خاصہ ششم

خاصہ ہفتم

خاصہ ہشتم

خاصہ نہم

کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔

خاصہ عودہم

آپ ﷺ کے ذکر مولد میں یہ تاثیر ہے کہ جس گھر میں پڑھا جاتا ہے ایک سال تک وہاں خیر و برکت اور سلامتی و عافیت اور رزق کی وسعت اور مال کی کثرت رہتی ہے۔ آگے چل کر مولانا نے مولد شریف کے جواز میں ائمہ و مجتہدین کے اقوال و نظریات پیش کئے ہیں۔

خاصہ عیاز دہم

شفاعت۔ مولانا نقی علی خاں نے اس خاصہ کو بھی بڑے عالمانہ اور فاضلانہ ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ روزِ محشر پیغمبر بھی ہیبت الہی سے دم نہ ماریں گے۔ اہل محشر، حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء کرام سے مایوس ہو کر شافع روز جزا، سرور انبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہونگے۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے حکم سے اپنی امت کے ایک ایک فرد کی جس کے دل میں ہو برابر بھی ایمان ہوگا اسکی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کے وسیلہ سے دیگر پیغمبران بھی اپنی امت کی شفاعت کریں گے۔

خاصہ عوداز دہم

اجتماع کمالات۔ اللہ تعالیٰ نے اگلے پیغمبروں کے تمام کمالات بلکہ ان سے بھی افضل آپ کی ذاتِ مبارکہ میں جمع فرمائے اور اجتماع کی فضیلت افراد پر ظاہر فرمائی۔ مولانا نقی علی خاں نے ایسے سینتیس (۳۷) کمالات کا ذکر کیا ہے جو اللہ نے دوسرے انبیاء کے مقابلہ

میں سرکار ﷺ کو فضیلت کے ساتھ عطا فرمائے۔

کتاب کا ساتواں باب ”معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے اس باب کو مولانا نقی علی خاں نے اس آیتِ مبارکہ سے شروع کیا ہے۔

فَاللّٰهُ تَعَالٰی نَسَبَ حَٰنَ الذِّیْ اَسْرٰی بَعْدَہٗ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الذِّیْ بَارِکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ “ اس آیتِ مبارکہ میں سات کلمات ہیں۔ مولانا نے ہر کلمہ کے فضائل و محاسن پر انتہائی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ جس سے مولانا کے زبردست علمی وقار کا اندازہ ہوتا ہے مولانا نے ”بعبدہ“ کی تفسیر کس فاضلانہ انداز میں کی ہے ملاحظہ فرمائیے:-

”بعبدہ اضافتِ عہد کی ضمیر کی طرف واسطے بیانِ عظمت مضاف کے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں مصاحب بادشاہ کا آتا ہے جو بڑائی اسکی کلمہ سے سمجھی جاتی ہے نام لینے میں نہیں اور تمام صفت سے عہدیت کو یہ سبب اسکی فضیلت یا بیاعلیت کے اختیار فرمایا کہ نہ کوئی صفت بندگی کے برابر ہے اور نہ رفعت و بلندی بغیر اس کے حاصل ہو سکے۔ سعادت انسان کی بندگی اور سراقندگی میں ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ گویا اس مضمون کی طرف اشارہ ہوا کہ ہم نے محمد ﷺ کو بندگی کے عوض یہ مرتبہ عنایت فرمایا کہ چند ساعت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے گئے اور اپنی قدرت و حکمت کے اسرار ان پر ظاہر فرمائے۔“ ۱۔

خاتمِ انبیاء ﷺ معراج کی رات جبریل امین کے ساتھ آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے جب سدرة المنتہی تک پہنچے جبریل امین وہیں رک گئے انہیں آگے جانے کی اجازت نہ تھی۔ حضور رسالت

مآب ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ حجاب زریفت کے متصل حضور ﷺ کی آمد کے بعد ایک فرشتہ نے اذان پڑھی پر وردگار نے ہر کلمہ پر موذن کی تصدیق کی۔ اسی عبدیت کے ہاتھ یا دفرا یا اور اپنی طرف اضافت کیا۔ اذان پڑھنے میں کیا نکتہ پوشیدہ تھا۔ اس کی وضاحت مولانا علی علی خاں نے اس طرح کی ہے:-

”اس رات نماز فرض ہونے والی تھی اس لیے اذان کہ اعلان

نماز ہے فرضیت سے پہلے سنائی تاکہ آپ یاد کر لیں اور

اختلاف صحابہ کے وقت عبد اللہ بن زید کے خواب پسند کر کے

اعلام نماز کے لیے مقرر فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ پھر اس

فرشتے نے پردے سے ہاتھ نکال کر مجھے اٹھا لیا۔“

اس طرح مولانا علی علی خاں نے واقعہ معراج کی حکمتیں، فضائل و نکات، تطبیقات مفصل اور دلائل انداز میں بیان کی ہیں۔ مولانا نے اس باب میں چار تنبیہات، ایک توجیہ، چار لطائف و حکمتیں، چار فوائد ایک تذکیل اور چار تطبیقات کے ذریعہ واقعہ معراج کی رحمتیں، برکتیں اور فضیلتیں بیان کی ہیں۔

آٹھواں باب ”معجزات مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے اس باب میں مولانا علی علی خاں نے حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا بڑے حسین پیرائے میں ذکر کیا ہے سرور انبیاء ﷺ کا ایک ایک واقعہ ایمان کو تازگی بخشتا ہے اور روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

در اصل سرکار کائنات ﷺ کی پوری زندگی معجزہ ہے بلکہ آپ کی ہر ہر ادا معجزہ ہے آپ کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، بات کرنا غرض آپ کا ہر فعل و عمل معجزہ ہے مولانا علی علی خاں نے ان گنت معجزات کا ذکر مستند احادیث مبارکہ کے حوالوں سے کیا ہے یہ معجزات سیرت نبوی ﷺ کا بھی بہترین شاہکار ہیں مولانا علی علی خاں کس والہانہ انداز میں معجزہ کا بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

”جاہر کے والد بہت قرض اور تھوڑے خرچے چھوڑ مرے

قرض خواہوں نے انہیں گھیرا۔ آپ ان کے گھر تشریف

لے گئے اور خرچے تین انبار کئے اور بڑے ڈھیر کے گرد تین

بار پھر کر بیٹھ گئے اور قرض خواہوں کو دینا شروع کیا۔ سب

قرض ادا ہو گیا اور انبار ویسا ہی رہا۔“

اسی باب میں مولانا نے سوال و جواب کے انداز میں سرکار ﷺ کے معجزات سے متعلق مشرکین، منافقین کے شبہات کا ازالہ بھی کیا ہے۔

نواں اور آخری باب ”فضائل درود شریف“ عنوان کے تحت چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل سرکار ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے احکامات سے متعلق ہے۔ اس فصل میں مولانا نے قرآن مقدس کی آیت مبارکہ ”ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلو علیہ و سلمو تسلیما“ کے ہر کلمہ اور ہر صیغہ کی انتہائی مدلل اور مفصل تفسیر پیش کی ہے اور درود سلام کی فضیلت ثابت کی ہے۔

دوسری فصل درود شریف کے فضائل و فوائد کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا علی علی خاں نے درود شریف کے ثواب و اجر کا بڑے عالمانہ ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ درود و سلام پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کن انعامات و اکرام سے نوازتا ہے اس کا بھی مفصل ذکر مولانا نے کیا ہے۔ مولانا نے محبوب رب العالمین ﷺ کی متعدد احادیث شریفہ نقل کی ہیں جو درود شریف کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں ہیں۔ اس کے علاوہ درود شریف کے بارے میں علما، فضلا، ائمہ و مجتہدین کے اقوال و افعال بھی قلمبند کئے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول بیان کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:-

شیخ عبدالحق دہلوی کہتے ہیں جب میں مکہ سے مدینہ شریف چلا

شیخ عبدالواہاب متقی نے فرمایا اس راہ میں کوئی عبادت بعد فرائض

کے درود کے برابر نہیں سب اوقات اپنے اسی میں صرف کیجیو

میں نے کہا کوئی عدد متعین ہے فرمایا یہاں عدد متعین نہیں اتنا پڑھو

کہ درود کے رنگ میں رنگ جاؤ اور اس میں مستغرق ہو جاؤ۔“ ۱۔
آگے چل کر مولانا نے ایک یہ حدیث شریف بھی نقل کی ہے۔

”آپ فرماتے ہیں درود مجھ پر صراط پر نور ہے اور جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی (۸۰) بار درود بھیجے اسی برس کے گناہ اس کے بخشے جائیں۔“ ۲۔

کس موقع پر کونسا درود شریف پڑھنا چاہئے مولاناقلی علی خاں ؒ نے وہ درودیں بھی تحریر کی ہیں اور ہر درود شریف کی فضیلتیں اور برکتیں اس پر درود کے ساتھ لکھی ہیں۔

اس باب کی تیسری فصل ان لوگوں کے بارے میں ہے جو سرکارِ دو عالم ؐ کا نام نامی سن کر درود شریف نہیں پڑھتے۔ مولانا نے اس فصل میں سرکارِ ؐ کی وہ احادیث نقل کی ہیں جن میں سرکارِ ؐ نے ان لوگوں کو بخیل اور دوزخی قرار دیا ہے جو سرور کون و مکاں ؐ کا نام مبارک سن کر سرکارِ ابد ؐ پر درود و سلام کی پٹھاور نہ کرے۔

اس باب کی چوتھی فصل درود شریف کی حکایات سے متعلق ہے۔ مولانا نے درود شریف کی اہمیت و برکت کے بارے میں اس فصل میں بائیس حکایتیں تحریر کی ہیں۔ ایک حکایت اس طرح ہے۔

فاکہانی نے فخر المیر میں شیخ صالح موسیٰ ضریر سے نقل کیا میں کشتی میں سوار تھا ناگاہ ایک ہوا جسے قلابیہ کہتے ہیں اور جہاز اس سے کم نجات پاتا ہے۔ اٹھی حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے خواب میں فرمایا۔ اہل جہاز سے کہہ ہزار بار درود شریف پڑھیں جب میں بیدار ہوا اہل کشتی سے حال کہا تین سو بار کے قریب یہ درود (درود تنجینا) ہم نے پڑھا ہوگا کہ ہوا ساکن ہوئی اور کشتی ڈوبنے سے بچ گئی۔“ ۳۔

اس طرح مولاناقلی علی خاں کی تصانیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ اپنی نوعیت کی منفرد اور بے مثال تصنیف ہے۔ اس کے اسلوب نگارش میں گفتگو اور بے ساختگی ہے اس کی تصنیف کا مقصد عوام کی فلاح اور اصلاح ہے۔ اس لیے مشکل اور اوقی الفاظ کا استعمال بہت کم کیا ہے۔ عبارت میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے لیکن یہ استعمال اصطلاحات دین کو واضح کرنے کے لیے ضروری تھا۔ اپنے اپنی تحریر میں اردو فارسی اشعار کا برکھ استعمال کیا ہے جس سے عبارت میں دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔

مولاناقلی علی خاں کی زبان و بیان میں جو سوز و گداز ہے، قرآن و حدیث اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کے جو اسرار و رموز ہیں وہ ان کے دور کے دیگر مصنفین کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ نیز سلاست و روانی اور زور بیان میں اپنی مثال آپ ہے یہی وجہ ہے کہ مولاناقلی علی خاں کی یہ کتاب اسلوب تحریر کی بنا پر منفرد ہے مولانا نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق کہیں کہیں دقیق اور مقفی و مسجع عبارت بھی استعمال کی ہے مگر ایسی عبارت ذہن پر بوجھ بننے کی بجائے قاری کے دل و دماغ پر خوشگوار اثر چھوڑتی ہے۔

نام کتاب :	جواہر البیان فی اسرار الارکان
سن طباعت :	۱۲۹۸ھ / 1881ء
مطبع :	صبح صادق سینٹاپور (یو۔ پی)
صفحات :	دوسو نو (۲۰۹)

اسلام ایک مکمل نظام حیات اور مفصل و بے نظیر دستور العمل ہے۔ اس کے چار بنیادی ارکان ہیں۔ (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج ان ارکان اسلام پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھا جا رہا ہے لیکن مولاناقلی علی خاں بریلوی کی تصنیف لطیف ”جواہر البیان فی اسرار الارکان“ اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

ہے جس میں ارکان اربعہ کے علاوہ آداب دعا، اسم اعظم، اوقات اجابت، تدبیر سفر و اعمال قضائے حاجات وغیرہ موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کی یہ کتاب علم و حکمت، عرفان بصیرت اور تصوف کے پیش بہا خزانے سے مالا مال ہے، مولانا نے اس کتاب میں شریعت مطہرہ کے رموز و نکات کو اپنی فہم و دانش سے بیان کیا ہے آپ کا اسلوب بیان منفرد اور دل نشیں ہے۔ دلائل کے ساتھ مشکل مسائل حل کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب مذہبی اور علمی رموز و نکات کا خزانہ ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ مولانا تقی علی خاں کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ نے اس کتاب کے صرف ڈھائی صفحات کی تشریح میں ایک ضخیم کتاب موسومہ ”سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت الوری“ ۱۲۹۷ھ/ 1879ء تصنیف کی۔ امام احمد رضا اس کتاب کی شرح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

”فقیر غفرلہ تعالیٰ نے صرف ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ زواہر الجنہ من جواهر البیان ملقب بنام تاریخی ”سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت الوری“ (۱۲۹۷ھ/ 1879ء) تالیف کیا۔“ ۱

مولوی فرزند حسین سیتا پوری کتاب ہذا کے اشتہار میں لکھتے ہیں۔

”ہم اس کتاب (جواہر البیان) کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جو شخص اس کی شرف خریداری سے مشرف ہو کر بنظر تامل دیکھے گا بے اختیار کہہ اٹھے گا جہادے چند دادم جان خریدم

بحمد اللہ بس ارزاں خریدم“ ۲

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو کئی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر فصل کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔ مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

- ۱- ابتدائیہ : حمد باری تعالیٰ میں
- ۲- مقدمہ : عبادت کے بیان میں
- ☆ ۳- باب اول: ”نماز کے بیان میں“ اس میں مندرجہ ذیل چار فصلیں ہیں:-
فصل اول: فضائل و فوائد
فصل دوم: شروط نماز
فصل سوم: صفت نماز
فصل چہارم: امور متفرقہ
- ☆ ۴- باب دوم: ”روزہ کے بیان میں“ اس باب میں مندرجہ ذیل دو فصلیں ہیں:-
فصل اول: بیان شب قدر
فصل دوم: ماہ رمضان کے فضائل
- ☆ ۵- باب سوم: ”زکوٰۃ کے بیان میں“ اس باب میں مندرجہ ذیل تین فصلیں ہیں:-
فصل اول: زکوٰۃ کی روح سات باتوں میں
فصل دوم: زکوٰۃ لینے والے کے لئے بھی سات شرطیں
فصل سوم: صدقہ کی خوبیاں
- ☆ ۶- باب چہارم: ”حج کے بیان میں“ اس باب میں مندرجہ ذیل پانچ فصلیں ہیں:-
فصل اول: حج کی فرضیت کے بیان میں
فصل دوم: حج و عمرہ کے فضائل کے بیان میں
فصل سوم: آداب سفر اور مقدمات حج کے بیان میں

فصل چہارم: ترتیب اعمال حج

فصل پنجم: اسرار حج کے بیان میں۔

باب پنجم: ”زیارت سراپا طہارت مدینہ طیبہ کے بیان میں“ اس میں مندرجہ

☆ ذیل دو فصلیں ہیں

فصل اول: زیارت نبوی کے بیان میں

فصل دوم: آداب زیارت روضہ مبارک

کتاب کے مقدمہ سے قبل ابتدائیہ ہے جس میں مولانا تقی علی خاں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اس شان اور جوش عبدیت کے ساتھ کی ہے کہ اسے پڑھ کر قاری کی روح وجد میں آجاتی ہے اور ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ حمد باری تعالیٰ کی چند سطر میں ملاحظہ ہوں۔

”نسیم کس کی تلاش میں کو بکودواں ہے اور دریا کس کی طلب

میں بے سرو پا رواں، پھول نے کس کے شوق میں گر بہاں

چاک کیا اور بلبل نے کس کی یاد میں آہ درد ناک۔ ایک

عالم اس کے شوق و محبت میں مشغوف ہے اور زمین و آسمان

اور جو کچھ اس میں ہے اس کی تسبیح و تمہید میں مصروف“۔

ابتدائیہ کے بعد عبادت کے بیان میں مقدمہ ہے۔ اس میں مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام، تابعین کرام اور بزرگان دین کی عبادت الہی سے محبت اور طریقہ عبادت کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نے مسلمانوں کو عبادت کرنے کی ترغیب دی ہے اور تاکید کی ہے کہ عبادت الہی تحصیل نجات و مغفرت کی غرض سے نہیں بلکہ با تقاضائے بندگی کرنا چاہئے۔ مولانا تقی علی خاں نے عبادت الہی کرنے والے بندوں کے لئے پچاس فوائد بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کئے ہیں

خدا کے نزدیک کوئی عبادت نماز سے زیادہ پیاری نہیں اسی لیے تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے مولانا تقی علی خاں نے کتاب کے اول باب کی پہلی فصل میں نماز کے فضائل و فوائد انتہائی جوش و عقیدت کے ساتھ بیان کئے ہیں مولانا نے نمازی کو دنیا و عقبیٰ دونوں میں سرفرازی و سر بلندی کی خوشخبری سنائی ہے اور بے نمازی کو دنیا و عاقبت دونوں میں ضلالت و دوزخ کا خوف دلایا ہے اور بے نمازی کے بارے میں ائمہ اربعہ کے جواہر کلمات ہیں انہیں تحریر کر کے مسلمانوں میں وحشی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے

اس باب کی دوسری فصل نماز کے شروط کے بارے میں ہے مولانا نے نماز کی پانچ شرطیں بہت تفصیل سے بیان کی ہیں اور ہر شرط کو احادیث مبارکہ اور اولیاء کرام کے اقوال سے مزین کیا ہے۔ ان پانچوں شرائط کا خلاصہ اس طرح ہے۔

شرط اول طہارت:۔ مولانا نے طہارت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ اول طہارت ظاہری یعنی جسم، جامہ اور مکان کی طہارت۔ دوم طہارت باطنی

شرط دوم ستر عورت:۔ یعنی جزو خاص بدن چھپانا اور اہل طریقت کے نزدیک اس کے ساتھ فحاش باطنیہ کا انہماک شرط ہے لیکن عالم الغیب سے اس کا چھپانا ممکن نہیں ہے۔

شرط سوم نیت:۔ نماز کا ارادہ خالصتاً اللہ سے ہونا چاہئے۔ غیر کی طرف نظر نہ کرے یعنی نیت میں خلوص کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

شرط چہارم وقت:۔ پروردگار نے یہ عمدہ عبادت (نماز) اوقات معینہ میں فرض کی اور آٹھ پہر میں مختصر وقت اس کام کے لیے مقرر فرمایا تاکہ حصول معاش اور دنیا کے کاروبار میں حرج نہ ہو اور ادائیگی نماز میں کراہت محسوس نہ کرے۔

شرط پنجم استقبال قبلہ:۔ ادائیگی نماز میں استقبال قبلہ لازمی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا اس طرح رقمطراز ہیں۔

”نماز مقام مناجات دراز ہے اور اس امر کے لیے استقبال ضرور لیکن حقیقت توجہ اس جگہ متصور نہیں کہ وہ ذات پاک جہت مقابلہ سے منزہ ہے بلکہ خاک افتادہ اپنے چیز سے عروج نہیں کرتی اُس درگاہ تک رسائی پھر کہاں، ناچار کعبہ کی طرف جسے جناب الہی نے تشریف اپنا گھر فرمایا، متوجہ ہوتی ہے البتہ روح انسانی عالم امر سے ہے وہ اس عالم کی طرف توجہ کر سکتی ہے پس قبلہ جسم خاکی کا اور روح انسانی کا رب کعبہ ہے۔“ ۱

تیسری فصل صفت نماز سے متعلق ہے صفت نماز کے بارے میں مولانا کہتے ہیں:

”جو مسلمان بر عایت شرائط و ارکان و واجبات و سنن و مستحبات اس ترتیب و صفت کے ساتھ کہ مشہور اور کتب فقہ میں مذکور ہے بنظر تعمیل حکم الہی عز مجدہ نماز پڑھے۔ شرع شریف میں نماز اس کی صحیح ہے مگر کمال اس کا یہ ہے کہ حقیقت ارکان شرائط و واجبات و آداب کی بجالاوے اور ادا کے وقت ان کے اسرار پر نظر رکھے۔ مثلاً روح و حقیقت طہارت یہ ہے کہ جس طرح بندہ نجاست حقیقی و حکمی سے ظاہر کو پاک کرتا ہے اسی طرح علائق دنیوی و خباثت مادی سے باطن کو صاف کرے کہ منظر بادشاہ حقیقی علام الغیوب کا باطن ہے۔“ ۲

مولانا نقی علی خاں کی مذکورہ بالا واضح ہدایت اور بے لاگ روحانی تحریر مسلمانوں کے ضمیر کو

جھنجھوڑ رہی ہے وہ انکی صحیح رہبری بھی کر رہی ہے ساتھ ہی مولانا نقی علی خاں کی تبحر علمی کی عمدہ مثال ہے۔ آگے چل کر مولانا نقی علی خاں نے نماز اور نمازی سے متعلق اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا ذکر بڑے عالمانہ انداز میں کیا ہے۔ اسی باب کی چوتھی فصل ”امور متفرقة“ میں مولانا نے پانچ اوقات کی نمازوں کی فرضیت، ہر نماز کی اہمیت، وضو کی حکمتیں، دعا، نماز باجماعت وغیرہ موضوعات بڑے استدلال کے ساتھ بیان کئے ہیں جس سے مولانا کی زبردست وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس فصل میں تصوف سے متعلق اصطلاحوں کی تشریح و توضیح بھی کی ہے مولانا نے وضو کے ایسے ایسے رموز و نکات بیان کئے ہیں جن سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:-

”وضو میں ہاتھ دھونا دنیا سے ہاتھ دھونے اور کلی لذت طعام و شراب اور ناک میں پانی ڈالنا لذت مشومات سے دست برداری اور منہ دھونا توجہ الی الغیر اور پاؤں دھونا غیر کی طرف جانے کو ترک کرنے اور مسح سر ترکیہ خیال کی طرف اشارہ ہے اور دستور ہے کہ جب آدمی بادشاہ کے حضور جانا چاہتا ہے منہ ہاتھ پاؤں دھوتا ہے نہ مقعد اور تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کا اعضاء کا دھونا دفع نوم و تفریح قلب میں اثر تمام رکھتا ہے۔“ ۱

دوسرا باب روزہ کے بیان میں ہے اس میں مولانا نقی علی خاں نے روزہ کی تاریخ روزہ کی دینی و دنیوی فوائد و جسمانی و روحانی فوائد بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ روزہ کی شرطیں، روزہ رکھنے کی تاکید، روزہ کے مسائل، روزہ دار کی غیر روزہ دار پر فضیلت، ماہ رمضان کی رحمتیں اور برکتیں وغیرہ بڑے پراثر اور دلپذیر انداز میں مثالوں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی ہیں۔

مولانا نے روزہ کی چھ شرطیں بیان کیں جو مندرجہ ذیل ہیں:-

شرط اول: آنکھ کو اس چیز سے کہ خدا سے غافل کر دے خصوصاً باعث انتشار شہوت ہو محفوظ رکھے۔

شرط دوم: زبان کو بیہودہ بکھنے سے روکے اور ہر بے فائدہ بات سے مانند مجاہدہ وغیرہ سے باز رہے۔

شرط سوم: کان کو ناشنیدنی سے دور رکھے جس کا کہنا گناہ ہے اس کا سننا بھی برا ہے جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ۔

شرط چہارم: ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء کو نا کردنی سے جدا رکھے اور کسی کو ایذا نہ دے کسی بے موقع جگہ نہ جائے جو شخص روزہ رکھے اور بد کام کرے اس کی مثال ایسی ہے کہ میوہ سے پرہیز کرے اور زہر کھائے۔

شرط پنجم: وقت افطار حرام و مشتبہ سے افطار نہ کرے اور حلال خالص بھی بہت نہ کھائے کہ جو رات کو گرسنگی روز کا تذکرہ کرے مقصود اصلی کہ کس قوت شہوت و غضب کا ہے فوت ہوا اور قوت اس کی کم نہ ہو بلکہ ایک رات میں دوبار شکم سیر ہو کر کھانا قوت کو زیادہ کرتا ہے۔

شرط ششم: افطار کے وقت دل اس کا بیم و امید میں معلق نہ ہو کہ قبول ہوا یا نہیں۔ حقیقت روزہ کی یہ ہے کہ انسان ملائکہ کی مانند ہو جائے اور صفت بیکہی سے کہ سوائے کھانے اور جماع کے کسی چیز سے واقف نہیں دور ہو اور یہ مشابہت جب کامل ہو کہ مثل ملائکہ ہمہ تن تعمیل حکم الہی میں مصروف ہو جائے۔

تیسرا باب زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ اس باب میں تین فصلیں ہیں۔ باب کی ابتدا میں مولانا نے زکوٰۃ کی تعریف بیان کی ہے اور زکوٰۃ کی فضیلت یہ بتائی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا نجات بخل سے

نجات پاتا ہے اور مال میں برکت ہوتی ہے۔ مولانا علی خاں نے قارون کی مثال دیکر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو عبرتناک عذاب سے باخبر کیا ہے۔ مولانا نے زکوٰۃ کے بارے میں فقہ اور اہل تصوف دونوں کے احکامات تحریر کئے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں:-

”کسی فقہیہ نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا زکوٰۃ کس قدر ہے؟

فرمایا مذہب فقہیہ میں دو سو درہم سے پانچ درم اور ہمارے

مذہب میں دو سو میں سے ایک بھی رکھنا جائز نہیں۔

اس کی راہ میں سب خرچ کرنا اور اس کے شکر میں سر بھی دینا

چاہئے۔ فقہیہ نے کہا مذہب ہمارا ائمہ دین سے ثابت۔

آپ نے فرمایا ہمارا مذہب سید الصدیقین حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت۔ جو رکھتے راہ خدا میں

صرف کیا اور کوئی دقیقہ جاں بازی و جاں ثاری کا اٹھانہ رکھا

ایک جان باقی تھی وہ شب غار قربان کی۔“ ۱۔

اس طرح مولانا نے کئی واقعات اور مثالوں کے ذریعہ اہل تصوف کی راہ کو اہل فقہ کی رائے پر فوقیت دی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مولانا علی خاں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ تصوف کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی موقع پر مولانا نے زکوٰۃ دینے کے چھ فائدے بیان کئے ہیں ابتداً یہ کے بعد اس باب کی پہلی فصل شروع ہوتی ہے جس میں مولانا نے دل نشیں انداز میں واضح کیا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کن لوگوں کو اور کس طرح زکوٰۃ دے کہ زکوٰۃ کا اصل مقصد بھی پورا ہو اور زکوٰۃ دینے والا اجر و ثواب کا بھی مستحق ہو۔ چنانچہ مولانا نے اس فصل میں زکوٰۃ کے بارے میں سات باتیں بتائی ہیں۔

اول زکوٰۃ سال گزرنے سے پہلے ادا کرے۔ جو چیراچانک حاصل ہوتی ہے اس سے فقیروں کو خوشی

حاصل ہوتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ دوم اکٹھا دینا ہو تو محرم یا رمضان میں دیدے۔ رسول اللہ ﷺ جو کچھ ہوتا ماہ رمضان میں خدا کی راہ میں صرف کرتے۔ تیسرے۔ زکوٰۃ پوشیدہ دینا چاہئے کہ ریاسے محفوظ رہے۔ چوتھے محتاج کو ایذا نہ دے نہ تیوری چڑھائے اور نہ سخت بات کہے اور بسبب محتاجی کے حقیر نہ سمجھے پانچواں اس پر احسان نہ رکھے کہ ان باتوں سے ثواب باطل ہوتا ہے۔ چھٹے جو مال بہتر نفیس حلالی ہو راہ خدا میں صرف کرے۔ حق تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے۔ ساتویں زکوٰۃ ان پانچ لوگوں کو دے (الف) پارسا و متقی کو (ب) طالب علم کو (ج) وہ فقیر جو اپنی محتاجی چھپاتا ہے اور تو نگروں کی سی حالت بنائے رکھتا ہے (د) عیال دار اور بیمار جسے رنج و فکر زیادہ ہے (ح) رشتہ دار کو کہ ثواب صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ہاتھ آئے۔ جس میں یہ پانچوں یا ان میں سے اکثر جمع ہوں اسے دینا اور بھی اولیٰ۔

اس باب کی دوسری فصل میں زکوٰۃ لینے والوں کے لیے بھی مولانا نے سات شرائط کا ذکر کیا ہے شرط اول: خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت جس کے حال پر زیادہ ہوتی ہے اسے مال تو نگری کی آفت سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ سمجھے کہ تو نگروں کو میری آسائش کے لیے مائل کیا ہے۔ دوم: تو نگروں کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا واسطہ و ذریعہ بنایا اس لیے اس کے حق میں دعا کرے۔ سوم: صدقہ لے کر پوشیدہ رکھے اور اسے تھوڑا حقیر نہ جانے جیسے دینے والے کو چاہئے کہ بہت دے اور تھوڑا سمجھے۔ چہارم: جو شخص مال ظلم یا مال ریاسے دے ہرگز نہ لے کہ سوا خبث کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ پنجم: بے حاجت نہ لے اور سوال نہ کرے کہ حرام ہے۔ ششم: حاجت سے زیادہ نہ لے کہ اور محتاج کے کام آئے۔ ہفتم: جس قدر دیا جائے بطیب خاطر قبول کرے زیادہ پراصرار سے برکت نہیں رہتی۔

مولانا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی تصدیق احادیث مبارکہ اور قرآن مقدس سے بھی کرتے ہیں مذکورہ بالا شرائط کی تصدیقات میں بھی آپ نے متعدد احادیث مبارکہ نقل کی ہیں تیسری فصل میں مولانا نے صدقہ کی خوبیاں اور فوائد و اہمیت بیان کئے ہیں۔ مولانا صدقہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صدقہ دو اگرچہ ایک ہی چھوڑا ہو وہ بھوکے کی حاجت رفع کرتا ہے اور گناہ کو بجھاتا ہے جیسے پانی آگ کو اور فرماتے ہیں آدھا ہی چھوڑا دے کر آتش دوزخ سے بچو اور جو اس قدر بھی میسر نہ ہو تو فقیر کا دل اچھی باتوں سے خوش کرو۔“ ۱۔

مندرجہ بالا حدیث شریف میں وارد ”ایک چھوڑا اور آدھے چھوڑا صدقہ“ کی بھی وضاحت مولانا نے کی ہے مولانا لکھتے ہیں۔

اس قسم کی حدیثوں سے بعض بخیل سمجھتے ہیں ہمیں زیادہ مال خرچ کرنا کیا ضروری آدھا چھوڑا آتش دوزخ سے بچا لیتا ہے ہم دس بیس خرچ کئے دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے شیطان لعین ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے خیرات کرے۔ اگر ہزار دو ہزار درم کی قید ہوتی اکثر لوگ دولت صدقہ سے محروم رہتے۔“ ۲۔

مولانا نے ان دو تہندوں کی بھی خبر لی ہے جن کے پاس بے تحاشہ دولت ہے مگر صدقہ میں کنجوسی کرتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی ہے کہ حاجت ضروری پر صدقہ کو فوقیت نہ دی جائے۔

اس کتاب کا چوتھا باب حج کے بارے میں ہے یہ باب گزشتہ تین ابواب میں سب سے زیادہ مفصل اور طویل ہے کتاب کا نصف سے زیادہ حصہ اسی باب پر مشتمل ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے قاری جہاں حج سے متعلق بہت سی ضروری معلومات حاصل کرتا ہے وہیں دوسرے مسائل ضروریہ سے بھی واقف ہو جاتا ہے مثلاً اسکی مذمت جس سے کوئی مسلمان اپنا قصور بخشوئے اور وہ نہ بخشے۔ سفر کس دن بہتر ہے، شہر دیکھ کر کوئی دعا پڑھے، علماء کا ادب، مسافر کی دعا کی خوبی، ڈوبنے سے امان کی دعا،

مسلمانوں کو خوش کرنے کی فضیلت، عرفہ کے دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ، دعا کے آداب، زیارت مدینہ طیبہ وغیرہ موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں حج کی فضیلت بیان کی ہے اور اس بات پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ دولتمند مسلمان اپنی دولت ناچ گانے، زنا، شراب، و دیگر اسراف بیچارہ پانی کی طرح بہانا اپنی شان سمجھتے ہیں اور مذہبی احکامات و فرائض کو پورا کرنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے:-

”حقیقت یہ ہے کہ اہل ہند کے دل میں زکوٰۃ اور حج کی فرضیت پر یقین کامل نہیں اسی واسطہ اکثر ارادہ نہیں کرتے اور جو لوگ جان سے تنگ ہو جاتے ہیں اور دنیا کی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں ناچار اس سفر کو اختیار کرتے ہیں اور جو نیت ان کی فاسد اور شوق ان کا ناقص ہوتا ہے اس راہ کی کیفیت و لذت انہیں حاصل نہیں ہوتی اور جو لوگ بطیب خاطر و رغبت قلب براہ محبت ارادہ کرتے ہیں انہیں وہ لطف و مزہ اس راہ میں ملتا ہے کہ بیان میں نہیں آتا۔“ ۱

اس باب کی دوسری فصل حج و عمرہ کے فضائل اور تارکین حج کی مذمت کے بیان میں ہے۔ مولانا علی خاں نے اس فصل میں حج کی فضیلت اور اس کی رحمت و برکت کے بیان میں چھتر احادیث مبارکہ نقل کی ہیں اور چار حکایتیں درج کی ہیں۔

تیسری فصل آداب سفر اور مقدمات حج کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نے حج کا قصد کرنے سے لیکر حج سے واپسی تک ساتھ ضروری باتوں کا ذکر کیا ہے۔ قبول حج کے لیے ہزار حرم کا ن کو جانا اور عمل کرنا انتہائی لازمی ہے۔ اس فصل میں مولانا نے جو نکات بیان کئے ہیں ان سے مولانا کی

فقیہانہ اور محققانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

چوتھی فصل ترتیب اعمال حج کے بیان کے بارے میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نے حج کے تمام ارکان ادا کرنے کے طریقے اور ان کی دعائیں تحریر کی ہیں اور ساتھ ہی ایک واضح نقشہ بھی پیش کیا ہے جس سے زائرین حرم کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر مقام کا میل اور فاصلہ بھی تحریر کیا ہے کہ کونسا مقام کتنے فاصلہ پر واقع ہے۔ ارکان حج کے علاوہ کس موقع پر اور کس وقت کیا کرنا چاہئے اس کا ذکر بھی مولانا نے بہت تفصیل سے کیا ہے جس سے مولانا کی وسعت علمی، مطالعہ کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

پانچویں فصل ’اسرار حج‘ کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا علی خاں نے دیگر امتوں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کی فضیلت و اہمیت بیان کرتے ہوئے اس پر اللہ کی بے پناہ رحمتوں اور برکتوں کا ذکر کیا ہے اور حج بیت اللہ کی عزیمت و حرمت بیان کی ہے اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ مال حرام سے حج نہ کیا جائے۔ ایسا حج منہ پر مار دیا جائے گا۔ اس فصل میں مولانا یہ بھی تاکید کی ہے کہ حج کرنے کے بعد مسلمان کو چاہئے کہ وہ باقی زندگی اطاعت الہی میں بسر کرے اور یہی عمل قبولیت حج کا مظہر ہوگا۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:-

”بعد تمام حج کے ہمیشہ طاعت الہی و اجتناب مناجی میں سرگرم رہ کہ دلیل قبول حج ہے۔ حیف جو نگاہ خدا کے گھر پر پڑے اب کسی حرام قصد سے اٹھے۔ جن ہاتھوں نے غلاف کعبہ چھوا موقف عرفات میں خدا کی طرف بلند ہوئے، اب ان سے امر نا شروع صادر ہوا جو لب تبلیہ و بوسہ حجر سے مشرف ہوئے اب ان سے سخن ناباستہ نکلے جو پاؤں راہ خدا میں چلے اب ان سے کارنا شائستہ کی طرف جائے۔ جو بدن مجمع اقطاب و

ابدال و مجلس ذکر ذوالجلال میں حاضر رہا اب محفل لہو و لعب و
مجمع فساق و فجار میں شریک ہو۔“ ۱

مندرجہ بالا ہدایتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو روحانیت
کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو اور مقام قرب کے آداب سے پوری طرح واقف ہو۔
چوتھے باب کے بعد کتاب کا خاتمہ ہے جو مدینہ طیبہ کی زیارت سے متعلق ہے اس میں دو
فصلیں ہیں۔ یہ کتاب ارکان اسلام سے متعلق ہے لیکن اس میں دیگر موضوعات پر بحث کیوں کی گئی ہے
اس کی وضاحت مولانا نے اس طرح کی ہے

”ہر چند موضوع اس کا ارکان اربعہ ہیں اور یہ بحث
ان سے جدا مگر یہ ذکر اس کا ہے جس کی یاد یاد الہی سے
مفارق نہیں یہاں وہ نام پاک ورد زباں ہو گا جو
آرام جاں ہے اور زیور ایمان جس کے بغیر مسلمانوں
کو کبھی تسکین ممکن نہیں۔“ ۲

اس خاتمہ کی فصل اول میں مولانا نے زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے والے مسلمانوں
کے درجات کی بلندی اور شفاعت کی یقین دہانی میں اٹھارہ احادیث مبارکہ پیش کی ہیں اور سرکار رسالت
تاب ﷺ سے اپنی عقیدت و محبت اور جاں نثاری کا دلہانہ اظہار کیا ہے۔

دوسری فصل آداب زیارت نبوی ﷺ سے متعلق ہے۔ مولانا کی ذات والا صفات کو حضور نبی
کریم ﷺ سے زبردست عشق ہے اور احترام و اکرام ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔
مولانا نے حرم پاک کی زیارت کیلئے کس طرح اپنی بے قراری کا دلہانہ اظہار کیا ہے کہ پڑھنے اور سننے
والے دیوانہ وار دربار رسول کی تمنا کی خم ریزی اپنے دل و دماغ میں کرنے لگتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

”جب حرم مدینہ طیبہ زلزلۃ اللہ فرما و طیبہ کے قریب

پہنچے اور آنکھ وہاں کے درختوں اور پہاڑوں اور
آثار و معالم پر پڑے دامن جلال و ادب کمر ایمان
پر چست باندھے اور ہمہ تن دریائے ذوق و شوق
میں ڈوب جائے دل غفلت پسند اگر ایسے وقت بھی
خواب بے خبری میں ہو اس نادان کا شانہ ہلائے
اور کہے او بے وقت سونے والے! جاگ اور ہوشیار
ہو کہ یہ وقت خواب کا نہیں۔“ ۱

کتاب کے خاتمہ کے بعد صاحب تصنیف مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت
مجدد امام احمد رضا رحمہ اللہ کی تقریظ ہے جس میں امام احمد رضا نے اپنے والد ماجد کے مختصر حالات زندگی اور
انکی تصنیفات کا ذکر انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔

بہر حال یہ کتاب ”جواهر البیان فی اسرار الارکان“ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب
ہے۔ اس میں روزہ، نماز، زکوٰۃ، خیرات، وضو، غسل اور دیگر مسائل ضروریہ بڑی تشریح کے ساتھ بحث
میں لائے گئے ہیں اور بہت سے مسائل اس تحقیق کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ان کا یکجا ملنا مشکل
ہے۔ مولانا نے ہر مسئلہ میں ایسے نکات پیش کئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ہر موضوع پر احادیث
کریمہ سے استدلال اس وسیع پیمانے پر کیا ہے گویا تمام احادیث آپ کے پیش نظر ہیں۔ مولانا نقی علی خاں
نے استدلال کا وہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ کوئی گوشہ اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ساتھ ہی مولانا کا
تمام کلیات و جزیات پر عبور تامہ بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے اسلوب نگارش کا تعلق ہے تو زبان میں سلاست اور بیان میں
فصاحت کی شیرینی ہے۔ اس فصاحت و بلاغت نے زبان کو پراثر بنادیا ہے۔ منقحی اور مسجع عبارت عصری
تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

مولانا کے اسلوب نگارش کی بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے جا بجا موقع اور محل کے لحاظ سے اردو فارسی کے اشعار بھی تحریر کئے ہیں جو بیان میں زور و اثر پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ کے اسلوب نگارش کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف چھوٹے جملوں سے بہت بڑا مفہوم واضح کر دیتے تھے۔ مولانا چھوٹے جملے لکھ کر بڑا مضمون ظاہر کرنے کے ماہر ہیں مولانا کے یہاں ادق اور ثقیل الفاظ کا استعمال بھی بکثرت پایا جاتا ہے جو کہ زبان و بیان اور اسلوب تحریر کے اعتبار سے اردو ادب کا عظیم سرمایہ ہے۔

نام کتاب :- اصول الرشاد لقمع مہانی الفساد
سن طباعت :- ۱۲۹۸ھ مطابق 1881ء
مطبع :- صبح صادق سینٹاپور
صفحات :- ایک سو چار

مولوی اسماعیل دہلوی نے ۱۲۴۰ھ مطابق 1828ء میں ”تقویت الایمان“ شائع کی۔ علمائے کرام و مفتیان عظام کے مطابق اس کتاب میں ان تمام باتوں کو ناجائز، حرام، شرک و بدعت قرار دیا گیا جن پر دور صحابہ سے لیکر اس دور تک تمام اولیا، اقطاب و اغواث، علماء و مجتہدین متفق تھے۔ اس لیے اس کتاب کو لے کر اختلاف کی آگ پورے ملک میں پھیل گئی یہاں تک کہ مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کو بھی اپنے بھتیجے اور ”تقویت الایمان“ کے مصنف مولوی اسماعیل دہلوی سے برأت و بیزاری کا اعلان کرنا پڑا۔ اس کتاب ”تقویت الایمان“ کی رد میں عربی، فارسی و اردو میں بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہوئیں۔ مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولوی محمد موسیٰ، شاہ احمد سعید مجددی، مفتی صدر الدین آزرده علامہ فضل حق خیر آبادی، شاہ عبدالمجید بدایونی، شاہ فضل رسول بدایونی جیسے اکابرین نے اپنی تحریر و تقریر سے ”تقویت الایمان“ کا پوری شد و مد کے ساتھ رد کیا۔ اس رد میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی ”تحقیق الفتویٰ“

فضل رسول بدایونی کی ”سیف الجبار“ اور مفتی نقی علی خاں کی ”اصول الرشاد لقمع مہانی الفساد“ بہت مشہور ہوئیں۔ ”تقویت الایمان“ کی رد میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں ”تقویت الایمان“ کا صرف جزوی رد کیا گیا تھا مکمل رد نہیں کیا گیا۔ مولانا نقی علی خاں نے اپنی تصنیف ”اصول الرشاد“ میں ”تقویت الایمان“ کا مکمل رد کیا ہے اور کتاب کی ہر عبارت پر سخت گرفت کی اور منطقی عدم توازن کو دکھاتے ہوئے ناقص و ناتراشیدہ خیالات و افکار کا زبردست محاکمہ کیا۔ ساتھ ہی اسلامی موقف کو کتاب و سنت اور شریعت مطہرہ کی مخصوص اصطلاحات کی روشنی میں احکام شرعیہ کی وضاحت کرتے ہوئے تقویت الایمان کا اصولی رد کیا ہے۔ مولانا نقی علی خاں پہلے مفتی ہیں جنہوں نے تقویت الایمان کا اصولی رد کرتے ہوئے اسماعیل دہلوی کے باطل عقائد کی نشاندہی کی ہے۔ ”اصول الرشاد“ میں مندرجہ ذیل ہیں کلمات سے مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱ الفاظ شرعیہ سے اس کے معنی حقیقیہ مراد ہوتے ہیں اس کے چار فوائد کا بیان:

فائدہ اول : معنی الہ کی تحقیق
فائدہ ثانیہ : معنی عبادت کی تحقیق
فائدہ ثالثہ : معنی شرک کی تحقیق
فائدہ رابعہ : معنی بدعت کی تحقیق

قاعدہ نمبر ۲ چند افعال نیک کا مجموعہ بھی نیک ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

قاعدہ نمبر ۴ قرآن و حدیث کے عموم و اطلاق سے استدلال دور صحابہ سے عصر حاضر تک بلا تکثیر مکرر رائج ہے۔

قاعدہ نمبر ۵ فعل قبیح کی مقارنت سے فعل حسن قبیح نہیں ہو جاتا۔

قاعدہ نمبر ۶ کفار و مبتدعین سے مشابہت کی ممانعت چند شرائط سے مشروط ہے

قاعدہ نمبر ۷۔ زمان و مکان کو کسی عظیم شے کی طرف نسبت کی بدولت شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۸۔ اہل اسلام میں کسی بات کا رواج بلا تکبر منکر اس فعل کے حسن و محمود ہونے کی دلیل ہے قول جمہور قول کل کی طرح حجت شرعی ہے۔

قاعدہ نمبر ۹۔ دلالت النص و غیر ہا کے ذریعہ احتجاج مجتہد کے ساتھ خاص نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰۔ حرمین شریفین میں بے انکار علما کسی بات کا رواج اس کی خوبی بردال ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱۔ اجماع سکوتی حجت ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲۔ کسی مسئلہ میں اختلاف کے بعد اتفاق کر لینا اختلاف کے کالعدم ہونے کی دلیل ہے بلکہ اب یہ مسئلہ اجماعی ہو جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۳۔ نیک کام کو شروع کر کے التزام کر لینا مستحسن ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴۔ حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم ہر طرح خدا تعالیٰ کو پسند ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۵۔ حضور کا ادب و احترام حضور سید عالم ﷺ کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص نہ تھا

قاعدہ نمبر ۱۶۔ حضور ﷺ کے ذکر، نام اور کلام کی تعظیم بھی حضور کی تعظیم ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۷۔ تعظیم کے لیے معظم کا پیش نظر اور محسوس ہونا ضروری نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۸۔ حضور ﷺ کی تعظیم طریقہ قدیم و جدید ہر طرح سے محمود ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۹۔ تعظیم و توہین میں عرف و عادت کا بڑا اعتبار ہے۔

مولانا نقی علی خان نے مندرجہ بالا بیسوں قواعد قرآن و حدیث اور ائمہ و مجتہدین کے اقوال و کتب سے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کئے ہیں۔

قاعدہ اول کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ الفاظ شرعیہ جن کی وضع خاص معنی کے لئے ہوئی وہ اپنے معنی حقیقی پر ہی بولے جائیں گے جب تک کوئی قرینہ معارفہ نہ ہو اور معنی حقیقی پر عمل ممکن

ہو۔ کیونکہ معنی مجازی مستعار ہیں یہ اصل کے مزاحم نہیں ہو سکتے۔ نور الانوار اور مسلم الثبوت وغیرہ سے اس معنی کی تائید نقل فرمائی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے ثابت کیا ہے کہ شرک و بدعت، اللہ، عبادت کے معنی وہی مراد لئے جائیں جو حقیقی ہوں۔

پھر مصنف نے ان سب کے معنی بیان کر کے واضح کیا ہے کہ یہاں وہ معنی ہرگز نہیں جو اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم نوا علمائے مراد لئے ہیں۔ یہی حال معنی اللہ اور معنی عبادت کا ہے یعنی ”اللہ“ قادر مطلق مستحق العبادۃ کو کہتے ہیں اور عبادت غایت تعظیم و نہایت تذلّل کا نام ہے۔ شرک یہ ہے کہ کسی کو واجب الوجود مان کر الوہیت میں شریک ٹھہرانا۔ بدعت کے معنی میں تو کلام کو غایت تحقیق تک پہنچا کر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں کر دی ہے کہ بدعت کی تعریف و تقسیم سے اہل سنت کا موقف واضح ہے اور یہ کہ بدعت اصطلاح شریعت میں دو معنی پر بولا جاتا ہے۔

اول:۔ جو کام حضور نے نہ کیا اور نہ اجازت دی۔

دوم:۔ جو کام سنت کے مخالف و مزاحم ہو۔

معنی اول: کے ثبوت میں فاضل مصنف نے کثیر احادیث کریمہ سے استدلال کیا ہے اور یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بایں معنی اصولی طور پر بدعت کی دو قسمیں قرار دینا ضروری اور اشد ضروری ہے یعنی بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ پھر ان کے ثبوت میں علما کرام کے اقوال پیش کر کے تحقیق کے دریا بہا دیئے ہیں۔

قاعدہ دوم: کے تحت مولانا فرماتے ہیں فاتحہ، سوئم اور میلاد شریف وغیرہ میں کہ منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سب مستحسن ہیں کہ زمانہ قدیم سے علما کرام تصریح فرماتے آئے کہ جب کسی مجموعہ کے اجزا علیحدہ علیحدہ ممنوع نہ ہوں تو مجموعہ کیوں منع ہوگا اور یہ امور ایسے ہیں کہ تلاوت قرآن، ذکر خدا و رسول اور درود و سلام وغیرہ جیسے امور خیر پر مشتمل۔ تو بلاشبہ یہ سب خیر و محبوب ہی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: کے تحت مولانا نے ایک عظیم مسئلہ بیان کیا ہے جو بارہا موضوع بحث بنا اور آج

بھی کثیر مسائل اس سے وابستہ ہیں۔ مولانا کے مطابق ”اشیا میں اصل اباحت“ ہے یعنی جس چیز کے فعل و ترک میں شرعاً کچھ حرج نہ پایا جائے اور اس کے حسن و قبح ہونے کی کوئی دلیل بھی قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس میں موجود نہ ہو تو وہ شرعاً مباح و جائز ہے۔ اسے **اباحت اصلیه** سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنی کی تائید میں مسلم الثبوت، فتاویٰ شامی، مختصر الاصول، شرح مشکوٰۃ، مسلم شریف، فتح القدیر، نووی شرح مسلم وغیرہ کتب کثیرہ سے حوالے پیش کر کے اس قاعدہ کو نہایت مضبوط کر دیا ہے۔

قاعدہ ۴: تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ قرآن و حدیث میں جو الفاظ عام اور مطلق وارد ہوئے ان سے استدلال کر کے کسی مسئلہ کو بیان کرنا اہل اسلام میں عہد صحابہ سے بلا تکلیف آج تک جاری ہے۔ کسی فرد خالص کے لیے دلیل طلب کرنا بیجا ہے کہ جس عموم و اطلاق کے تحت اس کا شمار ہے اسی سے حکم اس کا بھی ثابت ہے۔ دلیل میں اسی قدر کافی ہے کہ یہ امور غیر ہیں جنکے عام یا مطلق کی خوبی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ لہذا اس امر کی خوبی بھی اسی سے ثابت۔ ہاں جو منع کرے وہ خاص ان امور کی ممانعت قرآن و حدیث سے دکھا دے۔

اس قاعدہ کے تحت مصنف نے چھ مباحث ذکر کئے ہیں اور ہر بحث کے ضمن میں اس بات پر زور دیا ہے کہ عموم و اطلاق سے استدلال بہر حال ایک ثابت اور طے شدہ چیز ہے۔ مخالفین کے اعتراضات محض لغو و بیجا اور اوہام و خیالات بے سرو پا ہیں۔

قاعدہ ۵: اس قاعدہ کے تحت مولانا فرماتے ہیں کہ جو فعل فی نفسہ مستحسن ہو اور اس سے کسی فعل قبیح کی مقارنت و مجاورت بھی ہو تو اس قباحت کی وجہ سے وہ فعل متروک نہیں ہو جاتا۔

اس اصول کے اثبات کے لیے مصنف نے کثیر علما کے اقوال پیش کئے ہیں اور ساتھ ہی اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے ہیں۔ کثیر جزیات سے اصول کی تائید فرما کر قاعدہ کو نہایت واضح کر دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۶: اس قاعدہ میں مشابہت کفار و مبتدعین کی معرکتہ الارابحت کی عقدہ کشائی ہے۔ بیسیوں عبادات اور صدقہ معاملات اہل اسلام و کفار مبتدعین باہم متشابہ یا متحد ہیں مگر بدوں قصد و نیت مشابہت بالافتقار فریقین حرام و مکروہ نہیں ہو جاتے بلکہ کثر فرائض و واجبات اسلام ایسی مشابہت و اتحاد سے پاک نظر آتے ہیں۔ پھر مثالوں سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان بہت سے چیزوں میں مشارکت و مشابہت ہے۔

قاعدہ نمبر ۷: میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ زمان و مکان کو بسا اوقات شرافت و بزرگی کسی معظم دینی کے سبب حاصل ہوتی ہے اور ان مقامات و اوقات میں طاعت اور عبادت زیادتی ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ پھر اس کی مثالیں بیان کر کے اس قاعدہ کو خوب خوب واضح کر دیا ہے۔ حرمین شریفین میں عبادات پر اجر جزیل کی بشارت اس کا بین ثبوت ہے۔

قاعدہ نمبر ۸: اس قاعدہ کے تحت تعامل کی بحث اٹھائی گئی ہے جو ایک عظیم اصل شرعی ہے جس پر صد ہا جزیات فقہ اسلامی کی بنیاد ہے۔ اس قاعدے کو ثابت کرنے کے لیے مصنف نے قرآن و حدیث سے استدلال کیا ہے اور کتب فقہ سے اسکی نظیریں پیش کی ہیں۔ اس قاعدے میں چند مباحث کا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ تعامل کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۹: جمہور کا قول مثل قول کل حجت شرعی ہے اس کے ثبوت میں مصنف نے ایک آیت اور متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے نیز اقوال علما سے اس کی تائید بھی کی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۰: اس قاعدہ میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ظاہر نص اور مفسر و غیر ہا کے ذریعہ احتجاج مجتہد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام طور پر علما کرام بھی ان سے احتجاج کر سکتے ہیں اس امر کے ثبوت میں علامہ طحطاوی، علامہ شامی، ابن کمال، علامہ بھاری وغیرہ کے اقوال پیش کئے ہیں پھر مصنف نے اس قاعدہ پر چند اعتراضات کے جواب دیئے ہیں اور مخالفین کی خبر لی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱: حرمین شریفین کا تعامل کہ وہاں کے خواص و عام اور علما و ائمہ جس بات پر متفق

ہیں وہ جنت ہے۔ اس قاعدہ کے ثبوت میں امام شافعی اور امام ابو یوسف کے اقوال بطور سند پیش کے گئے ہیں۔ فضائل حرمین ایک مسلم چیز ہے اس کے ذریعہ بھی مولانا بریلوی نے اپنے دعوے کا ثبوت پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲: اس قاعدہ کے تحت مولانا بریلوی نے ثابت کیا ہے کہ ایک جماعت کہ جس کا تعلق خواص اہل اسلام سے ہو وہ کسی چیز کا حکم صادر کریں یا کسی چیز پر عمل کو اپنا معمول بنالیں اور باقی دیگر خواص سکوت اختیار کریں تو یہ اجماع سکوتی ہے۔ اور احناف و جمہور علما کے نزدیک حجت شرعی ہے ”نور الانوار“ وغیرہ سے اس کا ثبوت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۳: اس قاعدہ کے تحت مولانا بیان کرتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں پہلے اختلاف تھا بعد میں اتفاق ہو گیا تو اب وہ اختلاف کا عدم قرار دے دیا جاتا ہے اور مسئلہ اجماعی قرار دے دیا جاتا ہے ”مسلم الثبوت“ سے اس دعویٰ کو ثابت کر کے بتایا ہے کہ اکثر احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴: اس اصول کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی مستحب و مستحسن کام کو اگر واجب نہ جانے لیکن اس کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ کرتا رہے تو وہ ممنوع و مکروہ نہیں ہو جاتا۔ ہاں اسے فرض و واجب سمجھنا غلط ہے اور اس اعتقاد کو جو بکا زائل کرنا لازم ہے۔

بعض علما نے اگر ایسے افعال کے مکروہ بھی لکھا تو صرف اسی بنا پر کہ اس اعتقاد فاسد کا ازالہ مقصود ہے نہ کہ فی نفسہ اس فعل کو مکروہ قرار دینا۔

قاعدہ نمبر ۱۵، ۱۶: حضور سید عالم ﷺ کی تکریم و تعظیم کے سلسلہ میں اس قاعدہ کے تحت مولانا بریلوی فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح پسند و محبوب ہے اور نبض کتاب و سنت سے ثابت اور ایمان کی علامت ہے۔ اس اصول کی وضاحت میں مولانا بریلوی نے اپنے دعویٰ کو غایت نہایت تک پہنچایا ہے۔ پھر علما کے اقوال مثلاً قاضی عیاض کی شفا سے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ تعظیم و توقیر حضور ﷺ کی حیات ظاہری تک ہی محدود نہیں بلکہ وصال سے قبل و بعد دونوں حالتوں میں ضروری اور لازمی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۷: حضور کی تعظیم و تکریم سے یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر ہو تو آپ کی تعظیم خشوع و خضوع و عاجزی و انکساری کے ساتھ بجالاویں۔ مختلف کتب علماء و مجتہدین کے حوالوں سے مولانا بریلوی نے کچھ بزرگوں کے خشوع و خضوع کا یہ عالم لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا نام پاک سنتے ہی ایسا محسوس ہوتا گویا بدن کا خون نچوڑ لیا گیا ہے۔

امام مالک جب حضور ﷺ کا ذکر سنتے رنگ بدل جاتا اور حد درجہ خضوع سے جھک جاتے۔ کبھی کوئی حدیث بے وضو بیان نہ فرماتے غرض یہ کہ یہ بات خلفاء و سلفا سے مسلم رہی ہے کہ حضور ﷺ کی طرف جو چیزیں منسوب ہیں ان سب کی تعظیم حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ جو خداوند قدوس ﷻ کو نہایت پسند ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۸: اس قاعدہ کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ تعظیم کے لیے ضروری نہیں کہ معظم سامنے موجود ہو ورنہ عبادت کہ غایت تعظیم ہے اس میں بھی معبود کا عند الحواس موجود ہونا شرط قرار پاتا۔

بہت سی مثالوں کے ذریعہ اس قاعدہ کا اثبات کر کے فرماتے ہیں کہ معظم یعنی حضور سید عالم ﷺ کا تصور و خیال قلب میں جا گزیر کرے تاکہ لذت و سرور حاصل ہو۔

قاعدہ نمبر ۱۹: اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم و تکریم بغیر کسی تخصیص و ہیبت کے فرض فرمائی ہے۔ اس کے ثبوت میں بھی مولانا بریلوی نے متعدد احادیث اور علماء و مجتہدین کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۰: اس قاعدہ کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ تعظیم و توقیر کے بارے میں عرف و عادت کو نہایت اہمیت حاصل ہے مولانا فرماتے ہیں:-

عرب میں باپ اور بادشاہ سے ”کاف“ کے ساتھ

جس کا ترجمہ ”تو“ ہے خطاب کرتے ہیں اور اس ملک

میں یہ لفظ کسی معظم بلکہ ہمسر سے بھی کہنا گستاخی

اور یہودگی سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہندی اپنے باپ یا بادشاہ خواہ کسی واجب التعمیم کو ”تو“ کہے گا تو شرعاً بھی گستاخ و بے ادب اور تعزیر و تنبیہ کا مستحق ٹھہریگا۔“ ۱

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے اس کتاب کے ذریعہ شکوک و شبہات کا انتہائی مدلل ازالہ کیا ہے اور مخالفین کو بھی دندان شکن جواب دیا ہے۔ غرضیکہ کے پوری کتاب حقائق و معارف کا گنجینہ اور علوم و فنون کا خزانہ ہے۔ جس سے کما حقہ استفادہ کتاب کا غائرانہ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کتاب کا اسلوب نگارش مولانا کی دیگر کتب کے مقابلہ میں انتہائی ادق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی مخصوص اصطلاحات آسان زبان میں بیان کرنا ناممکن ہے۔

نام تصنیف	:	ہدایت البریہ الی شریعت الاحمدیہ
اشاعت اول	:	حسنی پریس بریلی سن 1926ء
اشاعت دوم	:	کتب خانہ سمنانی اندر کوٹ میرٹھ
صفحات اشاعت ثانی	:	اڑتالیس (۴۸)

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ”ہدایت البریہ الی شریعت الاحمدیہ“ اصلاح معاشرہ کی غرض سے تصنیف کی۔ دراصل مولانا اپنے وقت کے زبردست عالم و مفتی تھے اپنی تبحر علمی اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر اپنے ہم عصر علما میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ متقی، پرہیزگار اور پابند شرع تھے چنانچہ وہ مسلمانوں کی بے راہ روی اور گمراہی سے بڑے متفکر تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات اور شریعت مطہرہ سے سرمو انحراف نہ کریں بلکہ اپنی زندگی عین اسلامی ڈھانچہ میں ڈھال کر سچے مسلمان کی طرح مثالی زندگی بسر کریں۔

مولانا سماج پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ کچھ نام نہاد مسلمان اسلام اور مسلمان کے نام پر دین کی دھجیاں اڑا رہے ہیں، اپنے طرز عمل سے خود بھی گمراہ ہیں اور دیگر مسلمانوں کو بھی گمراہی اور لادینی کے راستہ پر لئے جا رہے ہیں اور معاشرہ کو بگاڑ رہے ہیں تو مولانا کی دینی حمیت برداشت نہ سکی اور اصلاح معاشرہ کی غرض سے ”ہدایت البریہ“ تصنیف کی۔

مولانا نقی علی خاں پورے روہیلکھنڈ میں پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے قلم اٹھایا اور اقوام کو راہ راست پر لانے کی سعی کی۔ اگرچہ اس دور میں ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اصلاح معاشرہ کی غرض سے ناول اور کہانیاں لکھیں لیکن مولانا نقی علی خاں نے ناول اور افسانہ کا سہارا لینے کے بجائے دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے، اسلام کا چہرہ مسخ کرنے والے عناصر پر براہ راست کاری ضرب لگائی اور ایسے لوگوں کے باطل عقائد کی نشاندہی کی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کے باطل عقائد کا رد کیا۔ مولانا نے اس کتاب میں ایسے لوگوں کو دس فرقوں میں تقسیم کیا ہے جو عملاً اسلامی تعلیمات سے انحراف کر کے اسلام کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

مولانا نے فرقہ اول میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو اپنی ناقص عقل کو پیشوا بنا کر عقل کل بنے بیٹھے ہیں اور دینی معاملات میں قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔ مولانا کا خیال ہے کہ انسان کو اللہ کے معاملات میں مغل ہونے کے بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہئے اور اس کے حکم میں کسی قسم کا قیل و قال نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک فرمانبردار بندہ کی طرح اس کے حکم کی تعمیل میں سرنگوں رہنا چاہئے اور خلاف شریعت امور پر غور نہیں کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

”دانشمند ایسی باتوں میں جو شرع نے نہیں بتائیں
خوض نہیں کرتے انہیں اس حیثیت سے کہ مولانا کی باتیں
ہیں مانتے ہیں اگرچہ عقل ان کی حیثیت دریافت

نہ کرے۔ شیطان نے حکم الہی میں دخل دیا کہ آدمی خاک اور میں آگ سے پیدا ہوا مجھے اس کے سامنے جھکنا زیب نہیں دیتا اس حال کو پہنچا۔“

مولانا آگے کہتے ہیں:

”جس نے عقل کو مدار شرع ٹھہرایا کہ جس بات کو عقل اس کی نہ پہنچے شک اور تردد کو جگہ دے وہ بندہ عقل اور شیطان کا ساتھی ہے۔ توحید و رسالت کے دلائل دیکھے اور خدا و رسول پر کامل یقین رکھے اس وقت کوئی شک و تردد نہ رہے گا اور جو کچھ پیغمبر نے مالک حقیقی کی طرف سے پہنچایا ہے تردد و تشویش قبول کرے گا۔“ ۱

دوسرے فرقہ کے عقیدہ کو مولانا اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”اتخراج احکام قرآن و حدیث سے سہل سمجھ کر اپنی عقل ناقص کو دخل دیتا ہے اور وزیر یا تدبیر کا کام ایک نااہل بازاری کے سپرد کرتا ہے ہر چند قرآن و حدیث دریائے ساحل ہے کہ طریقت و شریعت اسکی نہریں ہیں اور حقیقت و معرفت اس بحرِ خار کی لہریں۔ لیکن ہماری عقل کما بینگی اور اک نہیں کر سکتی۔“ ۲

دراصل قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ کے نکات کو سمجھنا علمائے دین کا منصب ہے ہر کس و

ناکس کے بس کی بات نہیں۔ عوام کا کام علما کی تقلید کرنا ہے نہ کہ اپنی محدود عقل سے نکات کو سمجھنا۔ اگر قرآن و حدیث کے رموز و نکات ہر فرد کی سمجھ میں آجائے تو پھر علم تفسیر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لہذا عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ عقلی خیالی گھوڑے دوڑانے کی بجائے ائمہ اور مجتہدین کی تقلید کریں اسی میں ان کی نجات ہے۔ جاہلوں اور کم عقلوں کے بہکاوے میں آکر اپنی دنیا اور عاقبت برباد نہ کریں۔ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے خود ساختہ جاہل مجتہدین کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جو قوم کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے۔

”ملک ہند میں ضعف اسلام دیکھ کر مجتہدین بن بیٹھے اصل یہ کہ شیطان نے انہیں دام کبر و نخوت و غرور پنداشت میں پھانسا ہے کہ بایں قلت بضاعت ائمہ دین کی ہمسری کا دعویٰ کیا ہے۔ طحطاوی نے نقل کیا ہے کہ خارج مذاہب اربعہ سے اس زمانہ میں بدعتی اور دوزخی ہے غضب تو یہ ہے کہ بعض عوام کا لالعام بھی مدعی اجتہاد ہیں۔ قرآن مجید اور مشکوٰۃ یا مشارق کا اردو ترجمہ دیکھ کر ابو حنیفہ اور شافعی بن بیٹھے۔ ائمہ مجتہدین پر صدا ہا اعتراض کرتے ہیں اور مذہب اربعہ کو چوراہا کہتے ہیں۔“ ۱

تیسرا فرقہ ان لوگوں کا ہے جو خفیت کے دعوے دار تو ہیں مگر جب وہ کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ اپنی منشاء و مرضی کے خلاف پاتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کے مسئلہ کے منکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو مولانا متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”یہ سادہ لوح اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ مجتہد کیلئے کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے گو عوام کے ہاتھ نہ آوے کہ وہ مظہر احکام ہے نہ شارع۔ پھر اگر قول مجتہد بادی النظر میں کسی دلیل ناخ یا راجح ان کی متمسک سے مجتہد کے پاس نہیں۔ بایں ہمہ تصعیف قول مجتہد سراسر خطبہ ہے۔“ ۱۔

مولانا نے چوتھے فرقہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جنہیں جس مذہب کی بات اچھی لگتی ہے اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح ان کا عقیدہ چوں چوں کا مرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگ خود کو بڑا قابل اور دانشمند سمجھتے ہیں مگر حقیقتاً وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے۔

”مدار عقائد و اعمال کا دس پانچ آیتیں یا اردو فارسی کی دو چار کتابیں دیکھنے پر نہیں بہت کچھ درکار ہے۔ نادانوں نے شرع کو کھیل ٹھہرایا ہے اور اپنی رائے کا تابع سمجھا ہے۔“

لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم ۲۔

مولانا علی علی خاں نے پانچویں فرقہ میں ان لوگوں کی نشاندہی کی ہے جو فلسفہ منطوق و ریاضی وغیرہ کی دو چار کتابیں پڑھ کر خود کو عالم دین ظاہر کرتے ہیں اور شریعت مطہرہ میں دخل اندازی کرنے لگتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے لوگوں کو مسائل بتانے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ خود تو بے دین ہو ہی جاتے ہیں ان کے پھندے میں جو پھنس جاتا ہے وہ بھی اپنا ایمان گنوا بیٹھتا ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ منطق و فلسفہ وغیرہ پر بھروسہ کرنے سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور شریعت و طریقت کا علم حاصل کرنے سے دل روشن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

”ان فنون میں حد سے زیادہ غوص دل کو تاریک اور ایمان کو کمزور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ارتکاب

منہیات میں بے پاک ہوتے ہیں اور امر شرعیہ سے کام نہیں رکھتے اور علوم شریعت و طریقت سے قلب کو روشنی اور ظلمات جسمانیہ اور کدورت نفسانیہ سے صفائی حاصل ہوتی ہے کہ علمائے دین فلسفہ کو بھی ادنیٰ توجہ و التفات سے سمجھ لیتے ہیں۔“ ۱۔

چھٹے فرقہ میں مولانا علی علی خاں نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو خود کو صوفی اہل طریقت گردانتے ہیں اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو طریقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بھنگ پینے، تڑنگ اڑانے، چوٹی رکھنے، داڑھی منڈانے، مزامیر سننے اور طوائفوں کا ناچ دیکھنے کو سلوک کی باتیں سمجھتے ہیں اور عبادت کو بیکار سمجھتے ہیں۔ مولانا علی علی خاں کے مطابق یہ سب دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے شریعت کی اتباع کے بغیر طریقت ہاتھ نہیں آسکتی چنانچہ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں۔

”اے احق اس عقیدہ فاسدہ سے باز آ! ورنہ عذاب دوزخ کے لیے آمادہ ہو۔ عبادت کو بیکار سمجھنا کفر اور کافر قطعاً بہشت سے محروم اور مظلوم فی النار ہے کوئی عاقل ایسی چیز جس کے ترک میں ضرر ہے اور فعل میں نفع ترک نہیں کرتا اگر تارک بحکم ازل بہشت میں جاویگا ثواب عابدین سے محروم رہے گا اور ندامت و حسرت میں مبتلا رہے گا اور عامل اگر دوزخ میں پڑے گا عبادت سے عذاب اس کا ہلکا ہو جاویگا۔ کیا اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ انسان سے بے شغل نہیں رہا جاتا اور عبادت سے بہتر

مولانا کا قول ہے ”نفس ابلیس سے زیادہ خطرناک ہے۔ ابلیس سامنے کا دشمن ہے انسان اس سے ہوشیار رہتا ہے اور آسانی سے دام فریب میں نہیں پھنستا لیکن نفس گھر کا بھیدی ہے ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے اور دھوکے میں ہلاک کرتا ہے۔“

اس طرح مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے گمراہ لوگوں کو دس فرقوں میں تقسیم کر کے ان میں درآئی برائیوں اور لغویات کی نشاندہی کی اور ان کے سد باب کے اسلامی طریقے بتا کر قوم کی اصلاح کی کوشش کی۔

مولانا نے غرور، گھمنڈ، چوری، بدگمانی، جھوٹ، امانت میں خیانت، غیبت، والدین کی نافرمانی، دنیاوی طمع، ملک گیری، ہوس پرستی، شراب خوری، بدکاری، بد اخلاقی، زنا کاری، بے عملی، بخیلی، بغض، دیکھ، حسد وغیرہ برائیوں سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے اور اس ضمن میں قرآن شریف اور احادیث مبارکہ نقل کی ہیں۔ مولانا نے بڑے موثر اور پرزور انداز میں مسلمانوں کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کی ہے۔ مولانا نے نیک لوگوں کو دنیا میں عزت و عظمت کی بشارت دی اور بدکاروں اور بے عملوں کو دنیا میں بے عزتی اور آخرت میں دوزخ کا خوف دلایا۔

دراصل جس زمانے میں مولانا نے ”ہدایت البریہ“ تصنیف کی وہ مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا، مسلم معاشرہ کی حالت بگڑ چکی تھی، حکومت ان کے ہاتھ سے جا چکی تھی، مسلمان احساس کمتری کا شکار تھا، مذہبی معاملات میں دلچسپی کم ہو رہی تھی ان کو اپنا تمدن ناپسند تھا، مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو رہے تھے اسکی ہر ادا اچھی لگتی تھی۔ مولانا نے مسلمانوں کے اس رجحان کو دیکھا تو مستقبل میں اس کے خراب نتائج ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اس ماحول سے متاثر ہو کر مولانا نے ”ہدایت البریہ“ لکھی جو اس زمانے کی سچی تصویر ہے۔ یہ کتاب جتنی پونے دو سو سال قبل مفید تھی اس سے زیادہ آج کا رآمد ہے۔ یہ کتاب ہمیں دوسری قوموں کی اندھی تقلید اور ان کے خراب نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور اسلامی عقائد و اصول پر زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے اب سے تقریباً

پونے دو سو سال قبل ان خطرات کو محسوس کیا ان کے سد باب کے لیے یہ کتاب لکھی جو مولانا کی دوراندیشی اور زبردست بصیرت کا ثبوت ہے۔

”ہدایت البریہ“ کا اسلوب اس دور کے دستور کے مطابق دقیق ہے اس میں عربی و فارسی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اردو کے ادق الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مگر مولانا کا کمال یہ ہے کہ عبادت میں ایسی بے ساختگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے کہ عبارت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ مولانا نے جس مقصد کو لے کر ”ہدایت البریہ“ لکھی وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے آج بھی مشعل راہ ہے۔

نام کتاب :- از اقتہ الاثام

مولانا نقی علی خاں کی یہ تصنیف باوجود انتہائی کوشش و جستجو کے دستیاب نہیں ہو سکی۔ دورِ حاضر میں یہ کتاب عنقا و نایاب ہے۔ دیگر کتب کی طرح اس کا قلمی نسخہ بھی استادِ زمانہ کی نذر ہو گیا تاہم مذکورہ کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ’اقامة القيامة‘ میں اس کتاب کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

دلائل متکاثرہ وجج باہرہ و براہین قاہرہ قرآن و حدیث و اصول و قواعد شرع سے اس پر قائم ہیں۔ جنکی تفصیل و توضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل و تفسیح برطرز بدیع و بیج حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنفہ رحمۃ اللہ علیہ نام رحمۃ اللہ علیہ (العلماء بنس) (الکمل) مہدی و مولانا محمد مت والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی فرس رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ سرہ

”اللہ نے سالہ مستطابہ“ اذاقۃ الاثام لمسانعی عمل
المولود والقیام“ میں ہمالا مزید علیہ بیان فرمائی ہے جسے
تحقیق بے عدیل و تدفیع بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہوا سے مراد وہ
دیجیے کہ اس پاک رسالہ مائدہ فائدہ سے زلہ رہا ہو“۔

امام احمد رضا کی کتاب ”اقامة القیامہ“ کے مطالعہ اور مولانا نقی علی خاں کی مذکورہ
تصنیف پر امام احمد رضا خاں کے تبصرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سرور کون و مکاں کی سیرت
مقدسہ سے متعلق ہے جس میں آپ نے ان لوگوں کا منہ بند کیا ہے جو حضور تاجدار کائنات ﷺ پر صلوٰۃ و
سلام پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں اور محفل میلاد وغیرہ کے قیام کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ امام احمد رضا کے
مذکورہ بالا تبصرے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مولانا نقی علی خاں نے اپنے عقائد و نظریات کے ثبوت میں دلائل
و براہین کے انبار لگا دیئے ہیں جو آپ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ مولانا بغیر ٹھوس ثبوت اور مثالوں
کے کوئی بات نہیں کہتے۔

نام کتاب	:	فضل العلم والعلماء
ناشر	:	مجلس اشاعت طلباء فیض العلوم محمد آباد گوہرہ
سن طباعت	:	۱۴۰۳ھ / 1982ء
صفحات	:	54 (چون)

”فضل العلم و العلماء“ مولانا نقی علی خاں بریلوی کی تعلیم و تعلم کی اہمیت و حقیقت و عالم
علم کی فضیلت سے متعلق اردو زبان میں پہلی کتاب ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے انگریزی تعلیم کے مضر
اثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ کتاب تصنیف کی۔ اگرچہ ”فضل العلم و
العلماء“ مولانا کی علیحدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ آپ کی عالمانہ و فاضلانہ تصنیف ”الکلام الاوضح فی

تفسیر سورہ الم نشرح“ کا ایک تہہ ہے۔ یہ پورا رسالہ مذکورہ تصنیف میں شامل اشاعت ہو چکا
ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مولانا کی خواہش کے مطابق اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا
مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ نے قرآن مقدس احادیث مبارکہ صحابہ کرام و انبیاء کرام کے اقوال کی
روشنی میں علم و علما کی فضیلت و اہمیت ثابت کی ہے اور جہل کی برائیوں اور اثرات سے آگاہ کیا ہے۔
مولانا نے علم کی جو فضیلتیں بیان کی ہیں ان میں کچھ اس طرح ہیں:-

علم کی فضیلتیں

- ◆ علم آدمی کے دل کو اس قدر فراغ اور کشادہ کرتا ہے کہ وہ (دل) زمین و آسمان سے زیادہ وسیع
ہو جاتا ہے۔
- ◆ علم ایمان کی طرح بلندی مراتب کا سبب ہے۔
- ◆ قلیل العلم کثیر العبادت سے یا تھوڑا علم بہت عبادت سے بہتر ہے۔
- ◆ جو شخص طلب علم میں مرجائے گا خدا سے ملے گا اور پیغمبروں میں درجہ نبوت کے سوا کوئی درجہ نہ
ہوگا۔
- ◆ جو شخص ایک باب علم کا اوروں کو سکھانے کے لیے سکھے اس کو ستر صدیقوں کا اجر دیا جائے گا۔
- ◆ جو شخص طلب علم میں سفر کرے فرشتے اپنے بازوؤں سے اس پر سایہ کرتے ہیں اور مچھلیاں
اور زمین و آسمان اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔
- ◆ علم ہدایہ کار اور قطب دین ہے۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے علم و عبادت کے واسطے ہے۔
- ◆ طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔
- ◆ علم موجب حیات بلکہ عین حیات ہے۔
- ◆ شیطان علم کو سب صفات سے زیادہ دشمن جانتا ہے اور اسی لیے انسان کو مختلف طریقوں سے
علم حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم کی اہمیت و افادیت بیان کر کے مسلمانوں میں علم حاصل کرنے کا شوق و جذبہ پیدا کرنے کی سعی کی جو ان کی قومی و ملی ہمدردی کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا نے علم کی اہمیت کے ساتھ علم حاصل کرنے والے یعنی عالم کی فضیلتیں بھی قرآن و حدیث اور صحابہ کرام و علماء عظام کے حوالوں سے اس کتاب میں مختلف جگہوں پر بیان کی ہیں جو مولانا کی زبردست علمی لیاقت اور فاضلانہ بصیرت کی دلیل ہیں۔ مولانا نے عالم کی جو فضیلتیں بیان کی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:-

عالم کی فضیلتیں

- ◆ کلام الہی کے بھید اور خدا کی باتوں کے اسرار علما کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
- ◆ خدا ﷻ نے علما کا ذکر اپنے فرشتوں کے ساتھ کیا اور یہ ایسا مرتبہ ہے جو نہایت نہیں رکھتا ہے
- ◆ خداوند قدوس نے علما کی گواہی ملائکہ کی گواہی کے مانند معتبر ٹھہرائی اور عالم کی گواہی کو کافی قرار دیا۔
- ◆ فضل عالم کا عابد پر ایسا ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی سب ستاروں پر ہے۔
- ◆ بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔
- ◆ قیامت کے روز علما کی دو اتوں کی سیاہی اور شہدوں کا خون تولا جائیگا علما کی دو اتوں کی سیاہی شہیدوں کے خون پر غالب آئے گی۔
- ◆ روز محشر عالم خدا کے حکم سے شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔
- ◆ عالم کو محبت سے ایک نظر دیکھنا سال بھر کی روزہ نماز سے بہتر ہے۔
- ◆ عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز اور ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزاروں جنازوں

- ◆ پر حاضر ہونے سے بہتر ہے۔
- ◆ ہزار عابد قائم الیل صائم النہار کا مرنا ایک عالم کی موت کے برابر نہیں کہ خدا کے حرام و حلال سے واقف کراتا ہے۔
- ◆ جاہل کسی طرح عالم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔
- ◆ بزرگی عالم کی ایسی ہے عابد پر جیسے میری فضیلت تمہارے کم تر پر (حدیث قدسی)
- ◆ ایک فقیہ شیطاں پر ہزار عابد سے بہتر ہے۔
- ◆ عالم روزہ دار شب بیدار مجاہد سے بہتر ہے۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں ﷺ نے علم و عالم کی فضیلتیں قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے ثابت کرنے کے علاوہ اسلامی تاریخ کے حوالوں اور مثالوں سے بھی علم کی اہمیت کو ثابت کیا ہے اور قوم میں تعلیمی جذبہ ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولانا کہتے ہیں:-

”اے عزیز علم سے زیادہ کوئی چیز نہیں۔ آدم علیہ السلام کو سلطنت مصر اور سلیمان علیہ السلام کو علم کی منطق الطیر نے باقیں سی عورت اور مریم کو علم عیسیٰ علیہ السلام نے تشنّیع قوم سے نجات دی۔ ایک نقطہ علمی نے مور ضعیف کا یہ مرتبہ کیا کہ پروردگار نے اسے قرآن میں بیان فرمایا جو شخص قدر و منزلت علم کی جانتا ہے اس کے نزدیک سلطنت ہفت کشور کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی“ ۱۔

علم کی اہمیت اور افادیت بیان کرنے میں مولانا کا انداز مخاطب پر تاثیر ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ مولانا نقی علی خاں نے اچھے استاد کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ ایک مثالی معلم میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں اس کا ذکر مولانا نے قرآن و حدیث اور علماء و فضلاء کے حوالے سے کیا ہے جو مولانا کی تبحر علمی

کا آئینہ دار ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے علم و عالم کی فضیلتیں بیان کر کے جہاں عوام الناس میں علم کا شوق و ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہیں بے عمل علما کی بھی خبر لی ہے اور ایسے لوگوں کو عذاب دوزخ سے باخبر کیا ہے جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ اس بارے میں مولانا نے متعدد احادیث مبارکہ اور انبیائے کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اس متعلق بخاری و مسلم کی روایت نقل کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:-

”مرفوعاً قیامت کے روز ایک آدمی دوزخ میں ڈالا جائیگا کہ آنتیں اسکی باہر نکل آئیں گی اور وہ گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی اس سے کہیں گے تجھے کیا ہوا؟ تو ہمیں نصیحت کرتا تھا۔ وہ کہے گا کہ تم کو کہتا تھا اور آپ نہ کرتا تھا اور تمہیں منع کرتا تھا خود کرتا تھا“۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء کو بھی ہدایات دی ہیں اور تنبیہ کی ہے۔ علم حاصل کرنے والوں یعنی طلباء کو شیطان و رغبات سے ان میں غرور و گھمنڈ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دل و دماغ میں طرح طرح کے دوسے اور خدشات پیدا کرتا ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے ان سب باتوں کا سد باب بھی پیش کیا ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ طلباء کو کون سے علوم حاصل کرنے چاہئے اور کن سے پرہیز کرنا چاہئے یا کن علوم پر زیادہ توجہ دینی چاہئے اور کن پر کم۔ اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:-

”پس معرفت الہی اور جو علم مورث محبت و معرفت ہے مقصود حقیقی ہے۔ جیسے علم قرآن و حدیث، عقائد و تصوف اور جو کہ محبت کو فرمانبرداری لازم ہے۔ علم فقہ و فرائض اور اصول

فقہ بھی علم دین میں داخل ہیں۔ علم منطق وغیرہ کو بقدر کفایت حاصل کرنا مضائقہ نہیں رکھتا لیکن اس میں اس قدر مشغول ہونا کہ مقصود اصلی سے باز رکھے نرا دوسرہ ہے“۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم، طلب علم، علم سے شیطان کی عداوت، عالم کی فضیلت وغیرہ موضوعات پر انتہائی مفصل اور عالمانہ و فاضلانہ طریقہ سے روشنی ڈالی ہے۔ دراصل مولانا نقی علی خاں اپنے وقت کے ممتاز عالم دین، فقیہ، مفتی اور محقق تھے اور انکی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں مسلمان علم دین سے بے بہرہ اور مغربی تہذیب و تمدن کا دلدادہ ہو جائیگا جو دین محمدی اور مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوگا لہذا ان تمام خطرات کا سد باب کرنے کے لیے آپ نے ”فضل العلم و العلماء“ جیسے رسالے کی اشاعت کو ضروری سمجھا۔

یہ رسالہ بہت سادہ اور سلیس زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کا ہر مضمون سلیس و نشیں اور عام فہم ہے۔ سچی مثالوں سے اپنی باتوں کو معتبر اور وزن دار بنایا ہے۔ منشا یہی ہے کہ عوام غورو فکر کی طرف راغب ہو کر اپنی اصلاح کر سکیں۔

مولانا نقی علی خاں بریلویں عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحب طرز انشاء پرداز تھے۔ آپکی نثری تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ نے مسلمانوں کے سینوں کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن کرنے کے لیے اردو نثر کا سہارا لیا اور اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔

نام کتاب	:	احسن الوعلا داب الدعاء
اشاعت اول	:	ناشر: حسنی پریس بریلی
اشاعت دوم	:	ناشر: دین محمدی پریس لاہور
اشاعت سوم اگست 73ء	:	ناشر: سنی باب الاشاعت کاغذی بازار کراچی
اشاعت چہارم	:	ناشر: الجمع الاسلامی مبارکپور
دستیاب دوسرا ایڈیشن ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔		

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک نعمت ہے۔ مشکلات کو حل کرنے اور مصائب سے نجات پانے میں دعا بہت کارگر اور مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ دعا کے صحیح طریقے اور آداب جانتا ہو ورنہ دعا کا مقصد کما حقہ حاصل نہ ہوگا۔

مولانا نقی علی خاں نے مذکورہ کتاب میں دعا کے فوائد، قواعد، آداب اجابت کے امکان و اوقات، قضائے حاجت کی تراکیب وغیرہ انتہائی جامع طریقہ سے بیان کئے ہیں، اردو زبان میں دعا کے موضوع پر اتنی جامع کتاب اس سے قبل شائع نہیں ہوئی۔ یہ کتاب دعا سے متعلق معلومات کا خزانہ اور تحقیق کا گنجینہ ہے۔ دیگر تصنیفات کی طرح مولانا کی اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کتاب وسنت اور علمائے ملت کے فرمودات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں عالم یہ ہے کہ ہر موضوع پر دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اور حقائق و معارف کے دریا بہاتے نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کی وسعت علمی، دقت نظر، علوم مضامین اور ذوق تحقیق ہر صفحہ تصنیف سے ظاہر ہے مندرجہ بالا کتاب مندرجہ ذیل دس فصلوں پر مشتمل ہے۔

☆	فصل اول	فضائل دعائیں
☆	فصل دوم	آداب دعا و اسباب اجابت
☆	فصل سوم	اوقات اجابت

☆	فصل چہارم	امکنہ اجابت
☆	فصل پنجم	اسم اعظم و کلمات اجابت
☆	فصل ششم	ممانع اجابت
☆	فصل ہفتم	کن کن باتوں کی دعا نہ کرنا چاہئے
☆	فصل ہشتم	ان لوگوں کے بیان میں جن کی دعا قبول ہوتی ہے
☆	فصل نہم	ان اعمال صالحہ کے بیان میں جن کے کرنے والوں کو کسی دعا کی حاجت نہیں ہوتی
☆	فصل دہم	بحث دعا کے متعلق چند سوال و جواب
☆	تذکیر	غیر خدا سے سوال کے حکم میں
☆	خاتمہ	چند تراکیب نماز حاجت میں

مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر امام اہل سنت مجدد دین ملت مولانا احمد رضا خاں نے ”ذیل المدعا لاحسن الوعلا“ کے نام سے اس کتاب کی شرح کی ہے۔ جو کتاب کے ساتھ ہی ہے شارح نے متن و شرح میں امتیاز یہ رکھا ہے کہ اپنی تحریر کو ”قال الرضا“ سے شروع کیا ہے اور اس خط یعنی خط ہلالی پر ختم کیا ہے، خاص بات یہ کہ شرح متن سے بڑھ گئی ہے۔ جو تحقیقی نوعیت کی حامل ہے، فصل اول: فضائل دعائیں ہے اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے دعا کی فضیلت میں دس احادیث مبارکہ نقل کی ہیں جن سے دعا کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے احادیث مبارکہ سے قبل اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد بھی نقل کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے والے سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ امام احمد رضا نے ہر حدیث شریف کے بعد اس کی تشریح کی ہے۔

فصل کے آخر میں مصنف نے دعا کے پانچ فوائد بیان کئے ہیں جو آپ کی دینی بصیرت کے

غماز ہیں

فصل دوم: آداب و دعا اور اسباب احادیث کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے دعا کے آداب اور اجابت کے اکیاون اسباب بیان کئے ہیں امام احمد رضا نے نو آداب دعا اور اسباب اجابت کا اضافہ کر کے کل ساٹھ کئے ہیں اگر ان اسباب پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دعا قبول فرمائے گا۔ مولانا نقی علی خاں نے جو آداب تحریر کئے ہیں وہ سب معتبر احادیث اور علماء کرام کے ارشادات کے مطابق ہیں۔ اس ضمن میں مولانا نے آداب کے علاوہ بعض معتبر روایات اور واقعات بھی بیان کئے ہیں جو مولانا کی وسعت علمی کی دلیل ہیں۔

اوقات: ہر کام کا وقت معین ہوتا ہے اگر کام وقت پر کیا جائے تو کامیابی حاصل ہوتی ہے ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ دعا مانگنے کے بھی اوقات مقرر ہیں اگر ان مقررہ اوقات میں دعا مانگی جائے تو انشاء اللہ ضرور قبولیت کا شرف حاصل کرے گی۔

فصل سوم: میں مولانا نقی علی خاں نے ایسے چھتیس اوقات کا ذکر کیا ہے جن میں اجابت دعا کی قوی امید ہے۔ امام احمد رضا نے ان میں نو کا اضافہ کیا ہے اور کل پینتالیس اوقات کر دیئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے مولانا کے مطالعہ کی زبردست گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

فصل چہارم: دعا کی قبولیت کے لیے آداب و اوقات کے ساتھ ساتھ مقامات بھی مخصوص ہیں۔ اگر تمام شرائط پر عمل کرتے ہوئے دعا کے مقام کا خیال رکھا جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ توجہ خاص فرمایا گا۔ اور اپنے بندہ کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دے گا۔ چوتھی فصل میں مولانا نقی علی خاں نے جن مقامات کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ وسط مسجد الحرام "ملتزم" کعبہ معظمہ کی مشرقی دیوار کا جنوبی حصہ "داخل بیت" حجر اسود۔ نزد زمزم۔ صفا۔ مروہ۔ مکان استجابت (جہاں ایک مرتبہ دعا قبول ہو وہاں پھر دعا کرے خواہ اپنی دعا کا قبول دیکھے یا دوسرے مسلمان بھائی کی) وغیرہ

فصل پنجم: اسم اعظم و کلمات اجابت کے بیان میں ہے اس فصل میں مولانا نے نو بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں امام احمد رضا نے گیارہ کا اضافہ کیا ہے مولانا نقی علی خاں نے سرور کون و مکاں ﷺ

امام عظام اور علمائے کرام کے حوالے سے وہ آیات مبارکہ تحریر کی ہیں جن میں اسم اعظم ہے اور جن کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ نویں بشارت اس طرح ہے۔

”حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ

اسم اعظم اللہ لا الہ الاہو رب العرش العظیم ہے“۔

فصل ششم: اگر کسی بندہ کی دعا قبول نہ ہو تو اسے اپنا تصور سمجھنا چاہئے کہ اس میں ضرور کچھ کمی ہے۔ اللہ سے شکایت نہیں کرنی چاہئے کہ اسکی عطا میں کمی نہیں ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے چھٹی فصل میں ایسے پانچ اسباب بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام احمد رضا نے ان میں دس کا اضافہ کیا ہے ہر مسلمان کا ان اسباب کا جاننا انتہائی ضروری بلکہ لازمی ہے۔ ان کا سد باب کئے بغیر دعا کی مقبولیت میں رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ پانچویں سبب میں مولانا نے یہ بھی واضح کیا ہے اگر کسی بندہ کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ اسکو مطلوبہ شے نہیں دیتا تو اس کے عوض دعا گو کو ثواب آخرت عطا کرتا ہے لیکن اس طرح دعا کی مقبولیت ظاہر نہیں ہوتی اور بندہ سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم دیتا ہے اس لئے ہر حال میں جائے شکر ہے نہ کہ مقام شکایت۔

فصل ہفتم: ساتویں فصل میں ان باتوں کا ذکر ہے جن کے لئے دعا نہ کرنا چاہئے مثلاً لغو اور بے فائدہ باتیں یا وہ چیزیں جو محال ہیں یا قریب محال ہیں۔ قطع رحم کی۔ کسی مسلمان کی موت یا کسی مسلمان کے لئے بددعا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے لئے دعا نہ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے بارہ مسائل بھی پوری تفصیل سے دلائل و براہین کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ امام احمد رضا نے ان بارہ مسائل میں تین کا اضافہ کر کے کل پندرہ کئے ہیں۔

فصل ہشتم: آٹھویں فصل ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مولانا نقی علی خاں نے ایسے آٹھ لوگوں کا ذکر کیا جن کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوتی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو ان لوگوں سے اپنے لئے جائز تمناؤں کی دعا کرنا چاہئے امام احمد رضا نے ان میں گیارہ

کا اضافہ کر کے ایسے لوگوں کی تعداد انہیں کر دی ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے جن آٹھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے وہ ہیں۔ مضطر۔ مظلوم۔ عادل۔ بادشاہ۔ روزہ دار۔ وہ مسلمان جو دوسرے مسلمان کے لیے دعا مانگے۔ ماں باپ کا فرمانبردار۔ مسافر۔ والدین جو اپنی اولاد کے حق میں دعا مانگیں۔ مولانا نقی علی خاں کے تذکرہ بالا الفاظ میں کتنے معنی و مفایم پوشیدہ ہیں اس کا اندازہ امام احمد رضا کی اس تصنیف میں تحریر کردہ شرح و نقل ہے لگایا جاسکتا ہے یہ شرح مولانا نقی علی خاں کی عالمانہ و فاضلانہ فہم و فراست پر صاد ہے۔

فصل نہم: نویں فصل ان اعمال صالحہ کے بارے میں ہے جن کے کرنے والے کو کسی دعا کی حاجت نہیں ہوتی وہ اعمال تین ہیں۔ اول:- درود شریف کی کثرت۔ دوم:- یاد الہی۔ اگر بندہ یاد الہی میں غرق رہ کر دعائے مانگ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو مانگنے والے سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ سوم:- اس قدر تلاوت کلام اللہ کہ بندہ دست سوال دراز نہ کر سکے۔ یہ نویں فصل اس کتاب میں نہیں ہے شارح امام احمد رضا نے اس کا اضافہ کیا ہے۔

فصل دہم: دسویں فصل میں بحث دعا سے متعلق بطرز سوال و جواب ہیں۔ اس میں مولانا نے دعا کے بارے میں سوال و جواب کے ذریعہ علم و حکمت۔ عرفان و بصیرت۔ فقہ اور تصوف کے پیش بہا خزانے بہائے ہیں اور ایسے ایسے رموز و نکات بیان کئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے تصوف اور فقہ کے بارے میں علما نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ مولانا اس موضوع پر کہتے ہیں۔

”تصوف ہر چند برتر و افضل ہے مگر فقہ اسلام و اشمل ہے اسی واسطے کہتے ہیں۔ باطن ظاہر پر مقدم نہ کیا جائے نہ تحصیل میں نہ احکام کی تعمیل میں کہ تحصیل فقہ بعد از عمق فی التصوف مشکل ہے بخلاف العکس۔ اسی لئے کہتے ہیں کن فقیہا صوفیاً ولا تکن صوفیاً فقیہاً۔ پس یہ حکم صاحب مقام فنا

کیلئے مخصوص ہے جسے یہ مقام حاصل ہو اس کے حق میں ترک دعا افضل“۔

اس طرح مولانا نے اس فصل میں پانچ سوالوں کے جوابات کے ذریعہ بہت مشکل اور ادق مسائل حل کئے ہیں۔ جو نہایت جامع اور تصوف و فقہ کے مسائل کے موضوعات میں قابل قدر اضافہ ہے دسویں فصل کے بعد تذکیل اور پھر خاتمہ ہے۔

خاتمہ میں مولانا نے نماز حاجت کی دس ترکیبیں تحریر کی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے ارشادات اور ائمہ کرام سے منسوب ہیں اور نہایت مجرب ہیں۔

موضوعات کے تقاضوں کے مطابق اگرچہ مولانا نے عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا ہے پھر بھی اسلوب نگارش نہایت دلکش، رواں اور پرتا شیر ہے۔ ان کے طرز تحریر کی بڑی خوبی اختصار ہے وہ بڑی اور طویل بات کو بھی مختصر طور پر پیش کر گئے ہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بات کو کئی سطروں میں پیش کرتا لیکن مولانا اسے ایک جملہ میں ادا کر دیتے ہیں۔ مولانا نے غیر ضروری باتوں کی تفصیلات پیش کرنے سے گریز کیا ہے۔ الغرض مولانا نقی علی خاں کے انداز بیان میں علمیت اور ادبیت کے ساتھ جاذبیت اور دلکشی ہے۔ عبارت عالمانہ اور معیاری ہے۔

انداز مخاطب اور دلچسپ اسلوب تحریر کی ایک مثال پیش ہے

”اے عزیز: وہاں کے لئے کیا جمع کیا کہ یہاں سے بھاگنا ہے اگر موت کی شدت و سختی سے واقف ہو تو آرزو نہ کرے کاش تمام دنیا کی تکلیف مجھ پر ہو اور چند روز موت سے مہلت ملے“۔ ۲

باب پنجم

ہم عصر اردو نگاروں سے مولانا کی طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ

مولانا تقی علی خاں بریلوی عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے سینوں کو عشق رسول ﷺ سے روشن کرنے کے لئے اردو نثر کا سہارا لیا۔ اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔ اپنے مقاصد و مفاہم واضح کرنے کے لئے موقع محل کے اعتبار سے طرز نگارش کا استعمال کیا۔ مولانا تقی علی خاں نے اردو نثر میں دہلی یا لکھنؤ اسکول کے ادیبوں کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنے اپنی راہ خود نکالی اس لئے وہ اپنے ہم عصر نثر نگاروں میں منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔ مولانا تقی علی خاں کی نثر و اسلوب تحریر اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ آپ نے اپنے مطالب و مفاہم کو واضح کرنے کے لئے ہمہ اقسام نثر کا استعمال کیا۔ اس لئے آپ کی تصانیف میں ہمہ اقسام نثری شاہکار موجود ہیں۔ یہی خوبی مولانا تقی علی خاں کو اپنے ہم عصر نثر نگاروں سے ممتاز بناتی ہے۔ اسکی وضاحت ان کے ہم عصروں کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتی ہے۔ ان کے زمانے میں رجب علی بیگ سرور، اسد اللہ خاں غالب، مولوی نذیر احمد، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد وغیرہ صاحب طرز ادیب ہیں ان کی نثر نگاری اور انداز تحریر اپنی اپنی جگہ انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

رجب علی بیگ سرور:

اردو نثر میں سب سے پہلے ایک الگ رنگ کی نثر لکھنے والوں میں رجب علی بیگ سرور نمایاں

5

باب پنجم

ہم عصر اردو نثر نگاروں سے مولانا کی
طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ



ہیں۔ نثری روایات کے مطابق سرور نے مقفی مسجع نثر سے اپنی انفرادیت قائم کی لیکن سلیس اردو نثر کے نمونے بھی ان کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ سرور نے جب نثر نگاری کے میدان میں قدم رکھا اس وقت ملک میں فارسی کا بڑا چہ چلتا تھا۔ اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ دلنیش اور تحریر کو رنگین بنانے اور نثر نگاری کے کمالات دکھانے کے لئے عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب کثرت سے استعمال کئے جاتے تھے۔ اسی لیے ”فسانہ عجائب“ کا اسلوب دقیق، رنگین اور عبارت پر تکلف اور مرصع ہے لیکن سرور کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے رسمی پابندیوں کے باوجود تازگی اور شگفتگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ ان کی عبارت میں بے ساختگی اور شگفتگی ہے۔ عبارت میں الجھن نہیں ہوتی۔ ”فسانہ عجائب“ میں تصنع اور تکلف ہونے کے باوجود ایک ایسی شیرینی اور دلکشی ہے کہ قاری کو الجھن نہیں ہوتی۔ سرور کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ کے مطابق الفاظ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور ضرورت ہو تو ہندی الفاظ کا استعمال بھی فنکارانہ طریقے سے کرتے ہیں۔ اس طرح کی زبان اور انداز بیان سے پورے طور پر لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے

”صحرائے ہمیشہ بہار“ میں جاڑے کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

”چلے کے جاڑے، کڑا کے سردی تھی، گویا کہ زمین سے آسمان تک بخ بھر دی تھی، پرند چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جے بیٹھے تھے بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتے تھے، دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے۔ قصد سے تھر تھراتے تھے۔ سردی سے سب کا جی جلتا تھا۔ دم تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا۔ آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی۔ منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی۔ مار سیاہ اوس چائے

باہر نہ آتا تھا۔ سردی کے باعث دم دہا کے مانی میں دبکا جاتا تھا۔“ ۱

ڈاکٹر سید سلیمان حسین، سرور کی طرز نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فسانہ عجائب“ میں (چند اقتباسات سے قطع نظر جہاں قافیہ کی پابندی کی وجہ سے جملوں کی ساخت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا پڑا ہے) عموماً قافیہ کا بڑا فنکارانہ اور چست استعمال ملتا ہے۔ بعض فقروں میں تو قافیہ ردیف میں ایسا چسپاں ہوا ہے کہ نثر میں نظم کا سلف آگیا ہے۔“ ۲

سر سید احمد خاں:

سر سید احمد خاں جدید اردو نثر کے بانی کہے جاتے ہیں۔ آپ نے اردو زبان کو قافیہ اور ردیف کی قید سے نجات دلا کر آزاد فضا میں سانس لینے کے قابل بنایا اور اردو نثر میں توانائی اور ہر رنگ میں دھل سکنے کی صلاحیت پیدا کر کے اس کے دائرے کو وسیع کیا اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے سامنے سر اٹھانے کے لائق بنایا۔ سر سید نے مذہبی، سیاسی، تاریخی اور علمی موضوعات سے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں ان میں ”خطبات احمدیہ“، ”آثار الضادید“، ”تاریخ سیر کشی بجنور“ اور ”اسباب بغاوت ہند“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام کتابیں اپنی علمی اور تحقیقی مواد کی بنا پر کافی اہم سمجھی جاتی ہیں۔

دسمبر 1870ء میں سر سید نے ”تہذیب الاخلاق“ جاری کیا جس نے قدیم اسلوب تحریر اور طرز نگارش میں اصلاح و تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے فارسی نما اردو کی بجائے سیدھی سادی زبان کی بنیاد ڈالی اور اردو طرز نگارش کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس طرح سر سید نے اردو کو ایک

۱۔ فسانہ، عجائب از: رجب علی بیگ سرور ناشر: یو۔ پی۔ اردو اکیڈمی لکھنؤ ص 346, 347

۲۔ از: سید سلیمان حسین ص 29

۳۔ مقدمہ فسانہ، عجائب

دانشیں، سادہ شگفتہ اسلوب اور لب و لہجہ دیا۔ سرسید سیدھے سادے الفاظ میں پیچیدہ خیالات کو بڑی خوبی سے ادا کرنے کے ماہر ہیں۔ اس کے علاوہ سرسید کی تحریر میں زور بیان بھی ہے جس سے ان کی تصانیف کا وزن اور وقار زیادہ ہو جاتا ہے۔ سرسید نے عام طور سے صنائع و بدائع کے استعمال سے پرہیز کیا ہے۔ تاہم عبارت کو پُر اثر اور بلیغ بنانے کے لیے کہیں کہیں ان کا سہارا بھی لیا ہے وہ اکثر اپنی تحریروں میں افسانوی رنگ اور درد کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور قاری کی نگاہوں کے سامنے ایسی تصویر کھینچ دیتے ہیں کہ وہ محو ہو جاتا ہے۔ ایک مضمون میں لکھتے ہیں:-

”دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں

سات تہہ خانوں میں بند ہے۔ اسکا سورج سا

چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و مددگار، غیر

مقام غیر مذہب کے لوگوں میں قید ہے۔ بڑھے

باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ عزیز

بھائی کی جدائی اس کے دل کو غمگین رکھتی

ہے۔ قید خانے کی مصیبت، اسکی تنہائی، اس گھر

کا اندھیرا اور اس پر اپنی بے گناہی کا خیال اس کو

نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اس وقت کوئی

اُس کا ساتھی نہیں مگر اے ہمیشہ زندہ رہنے والی

امید تھی میں اسکی خوشی ہے۔“ ۱

سرسید کا طرز بہت پُر اثر ہے۔ سادگی خلوص اور عدم تصنع اسکی خصوصیات ہیں۔ مولانا شبلی نے ان کے متعلق لکھا ہے:-

”اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام میں

نہیں لائی گئی اس میں علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہیں اس لیے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو میں لکھنا چاہے تو الفاظ مساعدت نہیں کرتے لیکن سرسید نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس فصاحت اور دل آیزی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا جانتا ہے کہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہے۔“ ۲

سرسید بلاشبہ نہ صرف گلستان ادب اردو میں سرسبز و شاداب درخت تھے بلکہ گلشن ادب اردو میں ان سے طویل اور شاندار درخت کوئی نہ تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد:

عام طور پر ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار مانا جاتا ہے۔ نذیر احمد نے مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانہ جنتا، ابن الوقت، ایامی اور رویائے صادقہ سات ناولیں لکھیں۔ نذیر احمد کی یہ سب ناولیں اخلاقی و سبق آموز اور نصیحت خیز ہیں اس کے علاوہ نذیر احمد نے اور بھی علمی و ادبی خدمات انجام دیں مثلاً ”انڈین پینل کوڈ“ کا اردو ترجمہ ”تقریرات ہند“ کے نام سے کیا۔ پھر قرآن مجید کا سلیس اور ہامحاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ ایک عیسائی مبلغ نے اپنی کتاب ”امہات المؤمنین“ میں ازواج مطہرات کی شان میں نازیبا کلمات لکھے تھے۔ نذیر احمد نے اس کے جواب میں ”امہات الامۃ“ لکھی۔ اسی طرح اخلاقیات میں ”منتخب الحکایات“، ”چند پند“ اور ”مواعظ حسنہ“ لکھے۔ مذہب میں ”الحقوق والفرائض“ اور ایک کتاب ”ادعیۃ القرآن“ لکھیں۔ منطق میں ”مبادی الحکمتہ“، ہیئت میں ”سموات“ اور قواعد میں ”صرف صغیر“ لکھی۔ اس کے علاوہ ان کی کتاب ”کتاب الاجتہاد“ ہے جو 1908ء میں شائع ہوئی۔

غرض اس طرح نذیر احمد نے اردو میں اہم ادبی خدمات انجام دیں۔ وہ ایک طرز خاص کے

مالک ہیں۔ ان کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے۔ ان کا اسلوب صاف، واضح اور زوردار ہے۔ اس میں روانی اور بے ساختگی ہے۔ نذیر احمد کو زبان پر زبردست قدرت حاصل تھی اسی لیے وہ تشبیہات اور استعارات سے کام لینے کے بجائے سیدھی سادی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور محاوروں کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح نذیر احمد ایک ناول نگار کے علاوہ ایک صاحب اسلوب کی حیثیت سے بھی اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ نذیر احمد خود اپنی زبان کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”جو کچھ وقت اس کتاب (مراۃ العروس) کی تصنیف میں صرف ہوا اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس غرض سے پیش نظر رہی کہ بولی یا محاورہ ہو اور خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورداور بناوٹ کا دخل نہ ہو۔“

نذیر احمد کے مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یا محاورہ بولی میں تصنیف کا کام انتہائی احتیاط اور محنت سے کیا۔ نذیر احمد ایک بلند پایہ خطیب تھے اور یہ خطیبانہ انداز اکثر جگہ ان کے ناولوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ ایک کامیاب خطیب کی طرح زبان و بیان پر قدرت کاملہ کے اظہار کے ساتھ اپنی شخصیت کا بھی اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں کرداروں کے مزاج، ماحول اور ذہنی و نفسیاتی سطح کے مطابق ہی اظہار بیان کے پیرائے اختیار کئے ہیں۔ چنانچہ مذہبی معاشرہ کے پس منظر میں علماء، فقہاء اور واعظین کی زبان پر آیات و احادیث کے حوالے اور علمی اصطلاحات وغیرہ حسب حال معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح خالص عوامی زبان کا استعمال بھی موقع اور مناسبت سے کرتے ہیں۔ یعنی نذیر احمد نے نہایت بے باکی اور بے تکلفی سے اپنی معاشرتی زبان کا استعمال کیا ہے۔ وہ زبان کے معاملہ میں بڑے فیاض اور فراخ دل ثابت ہوئے ہیں۔ نذیر احمد کہیں کہیں اختصار کے بجائے تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے تجربات اور مشاہدات قاری کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں لیکن اظہار بیان کی سب سے بڑی

بولی یہ ہے کہ خیالات کے اظہار میں الفاظ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔

نذیر احمد کا اسلوب، قوت، سلامت، صلابت، روانی اور گفتگی سے عبارت ہے۔ وہ ایک مخصوص و منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ ایسا اسلوب جو اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب:-

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب جتنے بڑے شاعر ہیں اتنے ہی بڑے نثر نگار بھی ہیں۔ اردو نثر کی بنیادوں کو استوار کرنے میں خطوط غالب کا رول بہت نمایاں ہیں۔ غالب کے خطوط کی دلکشی کا راز یہ ہے کہ اس زمانے میں خط لکھنے کا جو انداز تھا غالب نے اسے خیر باد کہہ دیا اور عام روش سے الگ ہٹ کر یہ خطوط لکھے۔ غالب نے اپنا راستہ آپ نکالا اور اپنے مزاج کے مطابق مکتوب نگاری میں بھی کسی کی تقلید کرنا اپنی کسر شان سمجھا۔ غالب نے مکتوب نگاری میں جدت پیدا کی مروجہ طریقہ کو یکسر رد کر دیا۔ مدتوں سے یہ رواج چلا آ رہا تھا کہ مکتوب الیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لمبے لمبے القاب لکھے جاتے تھے۔ غالب نے یہ القاب و آداب موقوف کر دیئے اور ان کی جگہ مختصر القاب لکھے۔ غالب کے زمانے تک خطوط میں عبارت آرائی، بے جا لفاظی، بہت زیادہ تصنع اور بناوٹ کا رواج تھا۔ غالب نے ان عیوب کا خاتمہ کیا اور بول چال کی عام زبان سے کام لیا۔ اس وقت مکتوب نویسی کی اصل زبان فارسی تھی مگر اردو میں بھی خط لکھے جانے لگے مگر ان کا انداز بالکل فارسی جیسا تھا یعنی تصنع اور مبالغہ آرائی سے بھرپور۔ غالب نے اس کے برخلاف بات چیت کا انداز اختیار کیا۔ بہت سے خطوط کی شروعات ہی اس طرح ہوتی ہے جیسے بے تکلف بات چیت کی جارہی ہو۔ مثال ملاحظہ ہو:-

”ارے کوئی ہے، ذرا یوسف مرزا کو بلائیو، صاحب

وہ آئے۔ میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو؟ ادھر آؤ

خبریں سنو۔“

زیادہ تر خطوں میں یہی انداز ملتا ہے جیسے خط نہ لکھ رہے ہوں باتیں کر رہے ہوں۔ غالب

کے مزاج میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ ظرافت ان کے خطوط میں بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ وہ ہر خط میں کوئی ایسی بات لکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کو پڑھ کر مکتوب الیہ خوش ہو۔ کسی نے غالب سے روزہ نہ رکھنے کی شکایت کی اسے جواب میں لکھتے ہیں:-

دھوپ بہت تیز ہے، روزہ رکھتا ہوں، مگر روزہ کو بہلاتا رہتا ہوں۔ کبھی ایک کنوڑہ پانی پی لیا کبھی حقہ کا کش لگا لیا، کبھی روٹی کا ٹکڑا کھا لیا۔“

غالب کے خطوط نے نہ صرف اردو مکتوب نگاری بلکہ اردو نثر کی تاریخ کو بھی زبردست اثر انداز کیا۔ ان کی نثر میں ایسی بے تکلفی اور سادگی ہے جو ستے پن سے کافی دور ہے۔ اس کے لب و لہجہ میں ایک نئی کیفیت اور نیا ادبی مزاج ملتا ہے جس کے ذریعے نئے اسلوب اور ادب کا خاص شعور وجود میں آیا۔ غالب نے اردو خطوط نگاری کو ایک نیا اسلوب اور لب و لہجہ دیا مراسلہ کو مکالمہ بنایا اور تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیا۔

غالب نے اپنے خطوط میں بہت سے علمی مسائل پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی ہے۔ ان خطوط میں انھوں نے اپنے کئی شعروں کی تشریح خالص علمی انداز میں کی ہے۔ علمی نثر کے ساتھ ساتھ غالب میں تخلیقی نثر کے دلکش نمونے بھی موجود ہیں جو قاری کے ذہن پر اثر کرتی ہیں۔ اولیس احمد غالب کی خطوط نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”غالب کا بنیادی وصف جدت طرازی ہے ان کے خطوط ان کی جدت پسندی، شخصیت کا بہترین نمونہ ہیں انھوں نے اپنے خطوط میں بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ ان خطوط میں موضوع کے لحاظ سے تنوع پایا جاتا ہے مگر وہ بڑی سادگی اور صفائی

سے ہر موضوع پر لکھتے چلے گئے ہیں۔ ان کے خطوط میں سادگی، سلاست، رنگینی، رعنائی اور لطف انگیزی

کا بڑا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔“

بحیثیت مجموعی غالب کی نثر میں ایسی بے تکلفی اور مستی و سادگی ہے جو ستے پن سے کوسوں دور ہے۔ اس میں ادب اور زندگی کا نیا شعور، لب و لہجہ میں ایک نئی کیفیت اور نیا ادبی مزاج ملتا ہے جو ایک خاص انداز نظر کا عطیہ ہے۔ جس کے ذریعہ ایک کارآمد اسلوب اور ادب کا خاص شعور وجود میں آیا۔

الطاف حسین حالی:

خواجہ الطاف حسین حالی کا شمار جدید اردو نثر کے معماروں میں کیا جاتا ہے اور آپ اردو کے پہلے باقاعدہ نقاد مانے جاتے ہیں۔ مہدی افادی نے حالی کو اردو کے عناصر نمہ میں شامل کیا ہے۔ آپ کی تصانیف ”مقدمہ شعر و شاعری“، ”یادگار غالب“، ”حیات جاوید“ اور ”حیات سعدی“ اردو کی شاہکار تصانیف میں شمار کی جاتی ہیں۔

مولانا حالی کی نثر سرسید کی طرز نگارش پر ڈھلی ہوئی ہے اس میں سادگی اور صفائی ہے۔ سادگی بیان کے ساتھ ساتھ انکی تحریروں میں ایک تبلیغی جوش پایا جاتا ہے جو ان کی اسلوب نگارش میں زور اور روانی پیدا کرتا ہے

حالی کے اسلوب میں دھیمپا پن اور سادگی پائی جاتی ہے ان کی سادگی کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں بے رنگی نہیں۔ ان کی سادہ نگاری یوں تو عام فہم اور بول چال کے الفاظ سے عبارت ہے لیکن الفاظ کی خوبصورتی بھی مد نظر رہتی ہے۔ وہ الفاظ کی شیرینی اور نرمی پر بھی توجہ دیتے ہیں لیکن حالی کے اسلوب میں نفاست کی کمی ہے وہ اپنی سادگی پر اس درجہ قانع تھے کہ طرز تحریر میں تراش خراش کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اسلوب کو آسان بنانے کے لیے بھاشا کے ٹھیک اور سیدھے سادے الفاظ و تراکیب

کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ”یادگار غالب“ کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:-

”مرزا کے ابتدائی کلام کو مہمل دے معنی کہو یا اس کو

اردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو مگر اس

میں شک نہیں اس سے انکی ارجحیٹی اور غیر معمولی

ایچ کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے اور یہی ان کی نیزھی

ترجھی چالیں انکی بلند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و

استعداد پر شہادت دیتی ہیں۔ معمولی قابلیت و

استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پگڈنڈی

پر اگلی بھیڑوں کا گلہ چلا جاتا ہے اس پر آنکھیں

بند کر کے گلہ کے پیچھے ہو لیں اور لپک کر ادھر ادھر

آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ جو نہر یا پیشہ اختیار کریں اس

میں انگوں کی چال ڈھال سے سرمو تجاوز نہ کریں

اور ان کے نقش قدم پر قدم رکھتے چلے جائیں۔“ ۱۔

مندرجہ بالا عبارت میں صفائی، روانی اور سلاست ہے۔ طرز بیان میں مترادفات کا بار بار استعمال ہے جس سے خیال کی وضاحت اور بیان کی روانی میں اضافہ ہو گیا ہے مثلاً ”قابلیت و استعداد“ کی تکرار ”ہنر یا پیشہ“، ”مہمل و بے معنی“، مقصد کو پوری طرح واضح کر رہے ہیں۔ نیزھی، ترجمہ، پگڈنڈی اور چال ڈھال جیسے بھاشا کے ٹھیک الفاظ کا استعمال ایک تناسب اور توازن کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن اس قسم کی عبارت میں سادگی کے باوجود شگفتگی کی کمی ہے اور نفاست کا فقدان ہے تاہم اظہار مقصد کے لئے ایک موثر اور کارآمد نثر ہے۔

حالی ادیب یا شاعر ہی نہیں بلکہ عالم و معلم بھی اس لیے ان کی نثر کا سارا زور بیان اپنے

انکار و خیالات کی تبلیغ کے لئے ہے انشاء پر دازی یا افسانہ طرازی کے لیے نہیں اسی لئے ان کی تحریروں میں تبلیغی جوش پایا جاتا ہے اور اسی جوش نے حالی کی تحریروں میں متانت و سنجیدگی پیدا کر دی ہے۔

مجموعی طور سے اردو کے عناصرِ خمسہ میں الطاف حسین حالی زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور

اردو نثر کے لیے انکی اپنی الگ افادیت ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد:

مولانا محمد حسین آزاد کا شمار بھی اردو کے عناصرِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ آب حیات، نگارستان

فارس، بخندان فارس، مقدمہ دیوان ذوق و دربار اکبری آزاد کی مشہور تصانیف ہیں۔ مولانا آزاد کی طرز

نگارش پر تبصرہ سے قبل ہم ان کی اسلوب نگارش کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں:-

”جب وہ صاحب کمال ارواح سے کشور اجسام

کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغِ قدس

کے پھولوں کا باغ سجایا جنکی خوشبو شہرت عام

بن کر جہاں میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام

سے آنکھوں کو تراوٹ بخشی۔ وہ تاج سر پر رکھا گیا

تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو

کلمات کا اثر نہ پہنچے، ملک اشعرائی کا سکھ اس کے

نام سے موزوں ہوا اور اس کو طغرائے شامی میں

یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اردو کا خاتمہ کیا گیا چنانچہ

اب امید نہیں کہ ایسا قادر الکلام پھر ہندوستان میں

پیدا ہو۔“ ۱۔

مولانا آزاد کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ آزاد کا بیان شاعرانہ استعارات سے

اور تکلف سے انکی نثر کا دامن پاک ہے۔

مولانا نقی علی خاں خود اپنی زبان اور صنعت سے متعلق لکھتے ہیں۔

”اس تالیف (تفسیر سورہ الم نشرح) سے افہام عوام مقصود ہے نہ اظہار فضل و کمال۔ اس لیے اکثر مقام پر نقل عبارت عربی اور ترجمہ لفظی اور اسناد روایات اور رنگینی عبارات اور تقریرات مشکلہ اور مضامین مغلقہ اور سجع اور ترصیع ترک کر کے سہل سہل باتیں جن کو ہر شخص بے تکلف سمجھ لے زبان اردو میں لکھی جاتی ہیں۔“ ۱

مولانا نقی علی خاں کے اس بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ انھوں نے تصنیف کا کام بڑی احتیاط و محنت سے کیا ہے۔ چونکہ اپنی عبارت آرائی کے لیے قلم فرسائی نہیں کی بلکہ ان کا اولین کام مقصد قارئین کے مزاج اور لیاقت کے مطابق ان تک اپنی بات پہنچانا تھا اس لئے آپ نے روزمرہ کی بول چال اور محاورات کے علاوہ تشبیہات، استعارات، قافیہ بندی، نثر رنگین، نثر سادہ و سلیس کا استعمال موقع و محل کے لحاظ سے کیا ہے۔

نثر مقفی:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز میں نثر مقفی پیش کی اس لئے ان کی نثر کے مفہام مجروح نہیں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا نقی علی خاں نے نثر مقفی کی آبرورکھ لی اور اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا کہ نثر مقفی اظہار مقصد کے لیے ناکافی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم زکسین کی تعریف مقفی نثر میں ملاحظہ ہو:-

روشنی چشم ابوالبشر۔ چشم بد دور عجب آنکھ ہے ماشا اللہ کہ چشم فلک کو بایں گردش لیل و نہار نظیر اس کا نظر نہ آیا اور

بھرا ہوا ہے اس میں رنگ آمیزی بھی ہے اور مبالغہ آرائی بھی۔

آزاد زبان کو آرائش کے زیوروں سے بوجھل کر دیتے ہیں۔ مگر یہ چیزیں آزاد کی سلاست بیان میں روڑے نہیں اٹکاتی اس لیے آزاد کے اسلوب کی روانی اور صفائی عام طور پر برقرار رہتی ہے۔ آزاد اپنے الفاظ اور جملوں کی تنظیم کرتے ہیں لیکن یہ تنظیم فکر شعر کی سی ہے۔ ان کی عبارت میں شگفتگی اور نفاست پائی جاتی ہے۔ آزاد کی نثر اپنے مقاصد کے لیے ایک کارآمد اور موثر نثر ہے۔ آزاد کو زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ استعارات اور رنگ آمیزی کے باوجود زبان و بیان کی دلکشی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ آزاد کے یہاں تشبیہ و استعارات کے علاوہ روزمرہ کے محاورات کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے جس کو پڑھ کر قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آزاد نے صنائع، مترادفات اور صفات کا استعمال قدام کی پیروی میں کیا ہے۔ آزاد جب اپنی بات شروع کرتے ہیں تو ان کا اسلوب فارسی آمیز اور پر تکلف ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ سادگی اور بے تکلفی کی جانب مائل ہوتا ہے اور فارسی انداز نگارش کا بوجھل پن موسیقیت کی خوش گواری میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی آزاد کا طرز نگارش اتنا دل پذیر اور دلکش ہے کہ ان کی فنی خامیوں کی طرف دھیان نہیں جاتا ان کے جملے اور فقرے عام طور پر ترشے ہوئے اور رواں دواں ہوتے ہیں۔

مولانا نقی علی خاں:

مولانا نقی علی خاں کی نثری تصانیف کا جائزہ لینے کے بعد یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں صاحب طرز و اسلوب نثر نگار ہیں۔ آپ نے اپنی نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ، اشعار اور جاہجا قرآن پاک کی آیات و احادیث اس خوبی سے استعمال کئے ہیں کہ ان کی نثر بوجھل یا ثقیل نہیں بنی بلکہ اس میں زور و تاثیر پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا ہر لفظ اور ایک ایک فقرہ نپا تلا ہوتا ہے۔ وہ الفاظ کا ٹھیک طور پر عہدگی سے استعمال کر کے اس طرح جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ سانس بندھ جاتا ہے۔ انکی عبارت انتہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پراثر ہوتی ہے۔ ان کے یہاں سادگی اور سلاست ہے۔ تصنع

آہوئے حرم نے چین و ختن تک ڈھونڈ اکھیں اس کا ہمسر
نہ پایا۔ غزالان چین اگر اس چشم سرگیں کو دیکھ پائیں عمر
بھرا شک حسرت آنکھوں سے بہائیں اور آہوان ختن اگر
اس دیدہ زرگیں کے سامنے آئیں چو کڑی بھول جائیں۔
مندرجہ بالا اقتباس نثر منقہ کی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

نثر رنگین:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں نثر سلیس رنگین کا بھی بہت سلیقہ سے استعمال کیا ہے۔ مولانا بریلوی جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ ان کی رنگین عبارت سے بھی بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے۔
علمائے عظام کے مطابق اللہ تعالیٰ جس کو اپنا محبوب بناتا ہے اس کو درد و غم عطا فرمادیتا ہے اس کے برعکس جو بارگاہ خداوندی میں مردود ہوتے ہیں انہیں عیش و عشرت دیا جاتا ہے۔ شداد و نمود اس کی مثال ہیں۔ علما کے اس کلیہ کو مولانا بریلوی کس سلاست کے ساتھ بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو:-

”آگ محبت کی ہر وقت ان کے سینہ میں بھرتی رہتی ہے
اور آرام سے اصلاً ان کو کام نہیں۔ دل ان کا تیغ عشق
سے پارہ پارہ اور سینہ ان کا تیر محبت سے فگار۔ کوئی
مرہم ان کے زخم دل کو نہیں بھر سکتا اور کوئی جراح ان کے
چاک جگر کا علاج نہیں کر سکتا۔“ ۲

”تیغ عشق“ کی مناسبت سے ”پارہ پارہ“ ”فگار“ کی مناسبت سے ”تیر“ اور جراح کی رعایت سے ”چاک جگر“ کا استعمال جہاں نثر کو رنگین بنا رہے ہیں وہیں عبارت میں زور و تاثیر بھی پیدا کر رہے ہیں اور فی اعتبار سے بھی عبارت انتہائی دلکش ہے۔ انھوں نے نثر رنگین میں جاندار زبان اور پر معنی الفاظ استعمال کئے ہیں اس لیے بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اردو نثر کو رواج عام دینے

میں مولانا نقی علی خاں کا اہم رول ہے۔

نثر سلیس سادہ:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو اردو انشا پر دازی پر مکمل طور پر عبور حاصل تھا۔ نثر سلیس سادہ میں مولانا کی طرز نگارش کی لطافت اور انداز بیان کی فصاحت کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ان کی عبارت میں نہ کہیں جھول ہے نہ سقم وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں انتہائی سادگی اور سلاست سے کہہ دیتے ہیں۔ سادہ سلیس نثر کا نمونہ پیش ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے بارے میں حضرت حلیمہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں۔

”ایک روز غیب سے آواز آئی اے حلیمہ تجھے
اس فرزند کا ساتھ مبارک ہو جو تمام عرب کا
سردار ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں جو دعائیں میں نے
حضرت کے وسیلہ سے مانگیں فوراً قبول ہوئیں
اور کبھی بول و براز حضرت کا نہ دھویا کہ آپ
بستر پر پیشاب نہ کرتے۔“ ۱

مولانا نقی علی خاں نے اپنے مقاصد و مطالب کو سلیس سادہ نثر میں انتہائی لطافت و نفاست کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سادہ و سلیس نثر کا ایک اور ادبی شہ پارہ ملاحظہ ہو:-

”ایک حکیم کسی مغرور کے گھر گیا، تھوک کی حاجت
ہوئی اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ بہت خفا ہوا،
کہا اس وقت مجھے تھوکنے کی ضرورت تھی بہت خیال
کیا۔ متکبر کے منہ سے کوئی جگہ بدر نہ پائی۔“ ۲

استعارے:

مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ نے اپنی نثر میں استعاروں کا استعمال کر کے اپنی بات میں زور و تاثیر پیدا کی ہے۔ نمونہ پیش خدمت ہے:-

(1)

”جب حرم مدینہ طیبہ زلزلہ باللہ زلزلہ و طیبہ کے قریب پہنچے اور آنکھ وہاں کے درختوں اور پہاڑوں اور آثار و معالم پر پڑے دامن جلال و ادب کمر ایمان پر چست باندھے اور ہمہ تن دریائے شوق و ذوق میں ڈوب جائے۔ دل غفلت پسند اگر ایسے وقت بھی خواب بے خبری میں ہو اس نادان کا شانہ ہلائے اور کہے او بے وقت سونے والے! جاگ اور ہوشیار ہو کہ یہ وقت خواب کا نہیں۔“

(2)

”عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں تم چھلنی ہو جاؤ کہ آتا چھن جاتا ہے اور بھوسی اسی میں رہ جاتی ہے۔“

خطیبانہ انداز:

مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ ممتاز عالم دین، فقیہ عصر، مفتی زماں اور ہم مثال خطیب تھے اس لئے ان کی تصانیف میں کہیں کہیں خطیبانہ انداز بھی جلوہ گر ہے۔ نمونہ پیش خدمت ہے۔

”تمام جہان کا مالک تم پر طرح طرح کے احسان کرتا ہے

کہ سلطنت ہفت کشور ان کے مقابل اصلاً قدر و قیمت نہیں رکھتی مگر تم اسکی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ وہ فرماتا ہے نماز پڑھو تم نہیں پڑھتے۔ وہ کہتا ہے روزہ رکھو تم نہیں رکھتے وہ ارشاد کرتا ہے زکوٰۃ دو تم نہیں دیتے، وہ فرماتا ہے حج کرو تم نہیں کرتے۔ وہ گناہوں سے منع کرتا ہے تم باز نہیں آتے۔ اس سے زیادہ آفت اور سخت شرارت یہ ہے کہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے اور اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے۔“

مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کے یہاں زبان کی روانی اور سلاست بے مثال ہے اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔ ان کے اسلوب میں شگفتگی اور لطافت ہے۔ آپ نے یہ شگفتگی اور لطافت الفاظ سے نہیں معنی اور مراد سے پیدا کئے ہیں۔ مولانا کی نثر کا ایک ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ نپا تلا ہے۔ مولانا جذبات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ سماں بندھ جاتا ہے۔ مولانا کو اظہار بیان پر قدرت حاصل ہے اور تاثرات کے اظہار میں شگفتگی اور وارفتگی ہے۔ تاثرات کے اعتبار سے بھی اور زبان و بیان و طرز و اسلوب کے اعتبار سے بھی مولانا تقی علی خاں کے نثری شاہکار اردو کے ادب عالیہ کی جان ہیں۔

مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کے یہاں نفاست اور فصاحت کے ساتھ بلاغت بھی ہے۔ آپ نے عام فہم اور سہل الفاظ کا استعمال کیا جس سے بے ساختگی اور پرداختگی پیدا ہو گئی ہے۔ مولانا تقی علی خاں کی نثر شگفتہ ادبی نثر ہے جس میں عالمانہ شان جلوہ گر ہے۔ آپ کی عبارت میں جامعیت اور معنویت ہے۔ بیان میں لطافت و بلاغت کی چاشنی اور اسلوب میں شگفتگی ہے۔

مولانا نے ابتدا سے آخر تک اردو نثر کے آغاز کی غرض و غایت کو ملحوظ خاطر رکھا اور اسکا استعمال تبلیغ دین اور اصلاح عقائد و معاشرہ کے لیے کیا۔ آپ کا قلم ذہنی عیاشی، افسانوں اور ناولوں کے

لیے نہیں اٹھا بلکہ اس صراطِ مستقیم کیلئے چلا جس کے لئے بزرگوں نے اردو نثر کو جنم دیا آپ کی تمام تصنیف میں مخاطب عوام ہیں اس لیے آپ کی نثر سلاست و روانی، فصاحت و بلاغت اور شیرینی و شگفتگی سے عبارت ہے اسی لئے وہ اپنے ہم عصر اردو ادیبوں میں اپنی مخصوص پہچان رکھتے ہیں۔

حجاب ششم

ماحصل

☆☆☆



ماہصل

اور انگریز عالمگیری کی وفات کے بعد سیاسی ابتری و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ سات سمندر پار سے آنے والی قوم انگریز اس ملک پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے تھی۔ ذہنی اعتبار سے ہندوستانی انگریزوں سے مغلوب ہو چکے تھے اور فکری اعتبار سے انگریزوں کے مقابلے احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے۔ اس طرح ہندوستانی عوام نہ صرف سیاسی زوال سے دوچار ہوئے بلکہ ذہنی و فکری ہر اعتبار سے انھوں نے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے جسکی وجہ سے ہندوستانی عوام انگریزی تہذیب و تمدن کے مقلد بن گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر باشعور اور دانشور طبقہ مضطرب و بے چین تھا تو دوسری جانب ہندوستانی عوام انگریزوں کی سازشوں سے بے خبر انگریزی طرز معاشرت سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب و تمدن کھو بیٹھے تھے۔ تعلیم سے بے بہرہ اور جہالت کا شکار ہو گئے تھے یعنی ایک قوم کی تباہی و بربادی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستانی عوام میں پرورش پا رہے تھے۔ ہندوستانی معاشرہ کے لئے یہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب میں ایک بڑا سبب ہندوستانیوں کو تہذیبی و مذہبی پر مجبور کرنا تھا۔ انگریزی افسران اور عیسائی مبلغین بازاروں اور فوجوں میں جا کر طرح طرح سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے اور ہندو مسلمانوں کے بزرگوں کے خلاف سخت اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے۔ انگریزی مظالم کی وجہ سے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا اور وہ لوگ جو کسی زمانے میں صاحب اقتدار تھے اب ایسے محتاج ہو گئے تھے کہ زندگی کے چند دن بھی ان پر گراں گزر رہے تھے۔

مولانا نسفی علی خاں ایک جید عالم، ممتاز مفتی، صاحب تقویٰ، عابد شب بیدار ہمہ گیر شخصیت کے مالک مبلغ اسلام اور صاحب طرز اسلوب نثر نگار تھے۔ آپ نے ان تمام باتوں کو محسوس کیا۔

انہوں نے پچھتم خود ہندوستانی قوم کی زبوں حالی دیکھی، 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی دیکھی اور انگریزوں کے ظلم و ستم دیکھے۔ آپنے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی قوم کو بیدار کرنے اور عیسائیت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے علم و عمل کا سہارا لیا اور آپ نے بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ قائم کیا جس کا مقصد قوم کو پستی سے نکالنا اور مذہبی تشخص کو برقرار رکھنا تھا تاکہ عوام فکری طور پر انگریزوں سے مقابلہ کیلئے تیار ہو سکیں۔ ساتھ ہی آپ نے عوام میں خود اعتمادی پیدا کرنے اور احساس کمتری کو مزاج و فکر سے نکالنے اور قوم کو گمراہی سے بچانے کے لیے سیف قلم کو استعمال کیا آپ کی تصنیفات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ نے ہندوستانی عوام کو عزم دیا، حوصلہ دیا مغربیت کے سیلاب سے بچانے کے لئے عوام کو ذہنی و فکری اعتبار سے تیار کیا۔ آپ نے مسلمانوں کو نئے نئے عقائد سے گمراہ ہونے سے روکنے کے لیے ”اصول الرشاد“ ”ازالۃ الاوهام“ اور ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ وغیرہ کتابیں لکھیں اور مسلم معاشرہ میں باطل عقائد کو پھیلنے سے روکا۔ انگریزی تعلیم کے مضراثرات سے روکنے کے لیے ”فضل العلم و العلما“ تحریر کی۔

عیسائی تحریکوں کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر حملے کے جارہے تھے، عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی تھیں آپ نے ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ لکھ کر اس کا منہ توڑ جواب دیا اور انگریز مبلغین کے ذریعہ پھیلائی جا رہی گمراہیت اور بددینی کے اثرات کو زائل کیا۔

مسلمان مغربی آداب و طرز معاشرت کے دیوانے ہو رہے تھے وہ اپنی تہذیب و تمدن بھول چکے تھے۔ مغربی طرز معاشرت اختیار کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے، غلط رسم و رواج زور پکڑ رہے تھے مولانا نسفی علی خاں نے مسلمانوں کی اس بے راہ روی کو شدت سے محسوس کیا۔ آپ ان تمام رسم و رواج کو مسلمانوں کی اقتصادی، معاشی اور اخلاقی زوال کا سبب مانتے تھے اس لئے آپ نے مسلم معاشرہ کو غیر اسلامی فضولیات سے پاک کرنے کے لیے ”ہدایت البریہ الی شریعت الاحمدیہ

”لکھی اردو نثر میں اسلامی معاشرے پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔ اس طرح مولانا نقی علی خاں کا مقدس مشن اپنی تصنیفات کے ذریعہ اصلاح کرنا، اسلامی معاشرہ کو مغربیت کے سیلاب میں غرق ہونے سے بچانا تھا۔ آپ نے مذہبی کتب تصنیف کر کے اہل ہند کو نعمت ایمان اور دولت اسلام عطا کی۔ جہاں آپ نے عقائد اسلامی کی حفاظت کی وہیں اردو نثر کی عزت و آبرو بچائی۔ انگریزوں نے اردو نثر کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی مولانا نقی علی خاں ؒ نے اس کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی اور اردو نثر جس غرض و غایت کے لیے عالم وجود میں آئی تھی اس کو پورا کیا۔

مولانا نقی علی خاں ؒ دینیات کے عالم تھے۔ آپ عربی، فارسی کے ماہر تھے آپ کے گھر کا ماحول ایسا تھا جہاں عربی، فارسی مادری زبان کی طرح تھی جن میں صنائع بدائع کا استعمال بھی عام تھا، انداز پر تکلف تھا گرد و پیش کی فضا علمی و دینی سرگرمیوں سے معمور تھی ان حالات میں مروجہ طرز تحریر سے الگ جدید طرز اختیار کرنا ناگزیر تھا لیکن آپ نے اپنی تصنیفات میں عربی، فارسی کے الفاظ اس خوبی سے استعمال کئے کہ آپ کی نثر اذوق ہونے کی بجائے پر زور اور پرتاثر ہو گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ ایک با کمال ادیب، صاحب طرز مصنف، ایک ممتاز عالم تھے۔

مولانا نقی علی خاں ؒ نے عصری تقاضوں کے تحت مقفی و مسجع نثر کا بھی استعمال کیا لیکن اپنے ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز اختیار کیا جس سے نثر کا مفہوم، بخوبی واضح ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ بڑی اور پر معنی بات کہنے کے فن میں مولانا ماہر ہیں آپ کو نثر سادہ سلیس پر بھی پورا عبور حاصل تھا نثر سادہ سلیس میں بھی آپ نے اپنی بات کو انتہائی لطافت اور موثر ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سادگی اور متانت بلا کی پائی جاتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے جو بات کہی دلائل و براہین کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں کہی۔

اردو کا کوئی بھی بڑا ادیب یا انشا پرداز ہو مولانا نقی علی خاں ؒ نہ تو کسی سے مرعوب نظر آتے ہیں اور نہ ہی کسی ادیب کے سامنے ان کا ادبی وقار ہلکا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی آپ میں کسی

طرح کا تکبر علمی تھا۔ آپ کی تصانیف قرآن و حدیث و تاریخی واقعات و کردار کی ہی ترجمان ہیں۔ آپ نے جذباتی بہاؤ کو اپنی قدر و قیمت پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ الفاظ کا انتخاب یا شوکت الفاظ کی چمک دمک کے ساتھ استعارہ، کنایہ اور تمثیلات و تشبیہات کی جلوہ گری بھی آپ کی ادبی عظمتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ زبان و بیان حالانکہ صاف اور سلیس ہے مگر عربی فارسی الفاظ کی آمیزش کا زور ایک نئی کیفیت و نئے طرز کا تعین کرتا ہے۔

مولانا نقی علی خاں ؒ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے اردو نثر کو معیاری بنا کر مختلف موضوعات پر کتب تصنیف کیں اور اردو زبان کو دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے ہمسری کرنے کے لائق بنایا۔ آپ نے اسلامی علوم و فنون حدیث و فقہ کو اردو نثر میں منتقل کیا۔ آپ کے علمی و ادبی کارناموں نے اردو زبان و ادب کے دامن کو وسیع کیا مذہبی سرمائے میں گراں قدر اضافہ بھی کیا۔

☆☆☆☆☆.....

ضمیمہ (کتابیات)

نام مصنف / مولف	نام کتب	ناشر / مطبع
علامہ حضرت امام احمد رضا	الاجازت المستعینہ	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی
علامہ حضرت امام احمد رضا	فتاویٰ رضویہ (حصہ اول، دوم، سوم)	رضا اکیڈمی بمبئی
علامہ حضرت امام احمد رضا	ازہار الانوار	بریلی
علامہ حضرت امام احمد رضا	اصمصام علی مشکک فی آیہ علوم الارحام	مطبوعہ لاہور (پاکستان)
ابراہیم خوشتر	تذکرہ جمیل	سنی رضوی اکیڈمی، ماریش
اشتہام حسین (پروفیسر)	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	مسلم یونیورسٹی علیگزہ
الطاف حسین حالی	بادگار غالب	ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی
انیس ناطہ	۱۸۵۷ء کے ہیرو	قادری بکڈپو، بریلی
ہدرا الدین مفتی	سوانح اعلیٰ حضرت	امجدی بکڈپو، ناگپور
چندہ شاہ حسینی	شمس التواریخ	اسلامک پبلیکیشنز سنٹر، پٹنہ
حسن رضا خاں ڈاکٹر	فقیہہ اسلام	مکتبہ مشرق، بریلی
حسین رضا خاں (مولانا)	سیرت اعلیٰ حضرت	مطبع بہارستان کشمیر، کھنؤ
حافظ بخش آنولوی (مفتی)	تنبیہ الجہال	مطبع نولکشور، کھنؤ
رام بابو سیکندہ	تاریخ ادب اردو	یو۔ پی۔ اردو اکیڈمی، کھنؤ
رجب علی بیگ سردار	فسانہ عجائب	مطبع نولکشور، کھنؤ
رحمان علی	تذکرہ علمائے ہند	مطبوعہ الدہ آباد
ضمیمہ گوہر (ڈاکٹر)	نعت کے چند شعراے متقدمین	



ضمیمہ (کتابیات)



ظفر الدین بہاری (مولانا)	حیات اعلیٰ حضرت	مکتبہ رضویہ، کراچی
عبدالوحید بیگ	حیات مفتی اعظم	ادارہ تحقیقات تصنیفات مفتی اعظم
عبدالجنتی رضوی	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مشائخ قادریہ رضویہ اکیڈمی بنارس
عبدالحکیم اشرف	مشعل راہ	مطبوعہ کراچی پاکستان
عبداللہ فرنگی نخلی (مولوی)	مجموعۃ الفتاویٰ	مطبع پوٹھی گھنٹو
قاسم نانوتوی (مولوی)	تخذیر الناس	
گارساں دتاسی	گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے	انجمن ترقی اردو دہلی
مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند	المفہوظ (حصہ اول و دوم)	قادری کتاب گھر بریلی
محمد مسعود احمد (ڈاکٹر)	عشق ہی عشق	الحقاری پبلی کیشنز کراچی
محمد مسعود احمد (ڈاکٹر)	حیات مولانا احمد رضا خاں	مطبوعہ سیالکوٹ پاکستان
محمد ایوب قادری (پروفیسر)	سوانح مولانا احسن نانوتوی	مکتبہ عثمانیہ کراچی پاکستان
محمد نذیر احمد سہوانی	مناظرہ احمدیہ	مطبع شعلہ طور کانپور
محمد حسن عظمیٰ	خطبات علمی	
مصطفیٰ علی (سید)	نواب خان بہادر خاں شہید	ایجوکیشنل کراچی
محمود احمد قادری	تذکرہ علمائے اہل سنت	سنی دارالاشاعت فیصل آباد
محمد اکبر اعوان	شاہ احمد رضا خاں بھڑیچ	الحقاری پبلی کیشن کراچی
ایم۔ ایم۔ جلالی	خرمن شعور	مطبوعہ بریلی
مفتی محمد خاں قادری	شرح سلام رضا	مکتبہ نظامی بھیمونڈی
محمد حسین آزاد	آب حیات	
نذیر احمد ڈپٹی	مراۃ العروس	

نقی علی خاں (مولانا)	الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح	ایوان عرفان دہلی
نقی علی خاں (مولانا)	جواہر البیان	صح صادق سیناپور
نقی علی خاں (مولانا)	سرور القلوب	فاروقیہ بکڈ پوڈلی
نقی علی خاں (مولانا)	احسن الوعا	سنی باب الاشاعت کراچی
نقی علی خاں (مولانا)	اصول الرشاد	صح صادق سیناپور
نقی علی خاں (مولانا)	فضل العلم والعلماء	مجلس اشاعت طلباء گوہنہ
نقی علی خاں (مولانا)	ہدایت البریہ	حسینی پریس بریلی
نذیر احمد سہوانی	مناظرہ احمدیہ	شعلہ طور کانپور
نجم الغنی خاں رامپوری	اخبار الصنادید	مطبع نولکشور لکھنؤ
بین اختر مصباحی	امام احمد رضا باب علم و دانش کی نظر میں	المجمع الرضوی مبارکپور

رسائل و میگزین:

ماہنامہ سنی دنیا بریلی (مولانا نقی علی خاں نمبر) ماہ فروری مارچ 1994ء	■
ماہنامہ قاری دہلی (امام احمد رضا نمبر) ماہ اپریل 1989ء	■
ماہنامہ استقامت کانپور (مفتی اعظم نمبر) ماہ مئی 1983ء	■
سہ ماہی ادیب علیگزہہ جنوری تا دسمبر 1986ء	■
مہڈن ایگلواور نیٹیل کالج میگزین علیگزہہ مئی 1898ء	■
معارف رضا کراچی (پاکستان) شمارہ نمبر	■
ترجمان اہل سنت کراچی (پاکستان) جنگ آزادی نمبر ماہ جولائی 1975ء	■
قلمی دستاویز نکاح صاحبزادی مولانا نقی علی خاں زیر اس کا پی مکتوبہ راقم السطور	■

فیصلہ منصف شہر مقدمہ ۱۹۳۴/۳۸ تقدس علی بنام مصطفیٰ رضا بریلی

مقدمہ منصف شہر بریلی ۱۸۸۳/۳۱۱

بیاض قلمی امام احمد رضا مخزن و نہ سید شاہ یحییٰ حسن خانقاہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ

بیان احمد سیونی بن محمد سیونی بہ اجلاس مولوی عبدالقیوم خاں سب حج بریلی مقدمہ ۱۸۸۳/۴۷

مقدمہ تفریق کلکٹری ضلع بدایوں بہ اجلاس سر جارج لارنس منصفہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۲

